حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کی

معاشی زندگی

شہناز کوثر

اختر کتاب گھر

حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

کی

معاشی زندگی

شہناز کوثر

اختر کتاب گھر

کتاب	حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی معاشی زندگی
مصنفہ	شہناز کوثر
	(بنتِ راجا رشید محمود)
	ڈپٹی ایڈیٹر ماہنامہ "نعت" لاہور
پروف ریڈر	نسرین اختر
نگران طباعت	اظہر محمود
	ڈپٹی ایڈیٹر ماہنامہ "نعت" لاہور
	ایڈیٹر ہفت روزہ "اخبار عام" لاہور
کمپیوٹر کمپوزنگ	نعت کمپوزنگ سنٹر
	نیو شالامار کالونی۔ ملتان روڈ۔ لاہور۔ (ہیلو: ۷۴۶۳۶۸۴)
اشاعت اول	۲۳ جولائی ۱۹۹۴
تعداد	گیارہ سو
مطبع	جیم پرنٹرز، لاہور
قیمت	ایک سو روپے

ناشر

اختر محمود

اختر کتاب گھر

اظہر منزل۔ نیو شالامار کالونی۔ ملتان روڈ۔ لاہور۔ (کوڈ ۵۴۵۰۰)

فون: ۷۴۶۳۶۸۴

حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم
کو زبردستی غریب قرار دینے والوں
کے نام

فہرست

حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی معاشی زندگی

حضور رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی معاشی زندگی کے بارے میں ہمارے محترم سیرت نگاروں نے یہ بات پہلے سے طے کرلی کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو عُسرت، غریبی اور مفلوک الحالی کا شکار ثابت کرنا ہے۔ اس "مقصدِ عظیم" کے لیے انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو غریب کہا، آپؐ پیدا ہوئے تو بتایا کہ اس غریبی کی وجہ سے کوئی دائی ان کے گھر کا رُخ نہیں کرتی تھی۔ خدا کا شکر ہے کہ کسی نے رضاعت کے عرصے پر گفتگو کرتے ہوئے یہ نہیں کہا کہ چونکہ گھر میں کھانے کو کچھ نہ تھا، اس لیے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو بنو سعد کی خاتون کے حوالے کردیا گیا۔ سیرت نگاروں کے رویّے سے تو یہ بھی بعید نہ ہوتا کہ دو سال دودھ پلانے کے بعد جو دو سال مزید حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو دائی حلیمہ سعدیہؓ نے اپنے پاس رکھا، اس کے بارے میں یہ لکھ دیتے کہ یہ ایک معاہدے کا نتیجہ تھا۔ جس کے تحت دو سال دودھ پلانے کا معاوضہ یہی تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم تین اور چار سال کی عمر میں ان کی بکریاں چراتے۔

پھر یہ کہا گیا کہ حضرت ابوطالبؓ مفلوک الحال تھے۔ جن دنوں آقا حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ان کے پاس تھے، اس مدت کے بارے میں یہ افسانہ تراشا گیا کہ حضرت ابوطالبؓ کے گھر کا خرچ چلانے کے لیے حضور صلی

اللہ علیہ و آلہٖ وسلم اُجرت پر بکریاں چراتے تھے۔ اس بارے میں تفصیلی بحث میری کتاب "حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کا بچپن" میں موجود ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کی معاشی زندگی کے حوالے سے یہ بھی کہا گیا کہ سفرِ شام میں حضرت ابو طالبؓ کے ساتھ جانا حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کی بچگانہ ضد تھی، حضرت خدیجہؓ کے مالِ تجارت کے ساتھ سفر کرنا مزدوری حاصل کرنے کے لیے تھا' اور حضرت خدیجہؓ کے ساتھ شادی کی وجہ سے آپؐ کے معاشی مسائل حل ہوئے۔ زیرِ نظر کتاب میں ان سب مزعومات پر کسی قدر تفصیلی گفتگو کی جائے گی۔ حقیقت یہ ہے کہ قریش کے دوسرے متموّل لوگوں کی طرح سرکار صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم نے بھی تجارت کو اپنایا اور اسے عمر بھر جاری رکھا۔

جزیرہ نُمائے عرب کے معاشی حالات

جزیرہ نُمائے عرب کے ان حصوں میں جہاں منظم حکومتیں قائم تھیں مثلاً عراق' شام اور یمن' ان کے معاشی حالات قریباً" ویسے ہی تھے جیسے اس زمانے کے دیگر ممالک میں تھے۔ شام میں غذائی اجناس ضرورت سے زیادہ پیدا ہوتی تھیں اور برآمد کی جاتی تھیں۔ یمن میں چمڑے کی دباغت ہوتی تھی' اس کے علاوہ پارچہ بافی کا کام ہوتا تھا' لوبان اور گوند برآمد ہوتا تھا' غذائی اجناس مقامی آبادی کے لیے کافی تھیں۔ عراق کی پیداوار بھی غالباً" مقامی آبادی کے لیے کافی ہو جاتی تھی (ماہنامہ "خاتونِ پاکستان" کراچی۔ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نمبر حصۂ دوم۔ ص ۴۵)

درحقیقت عرب کے کئی شہر تجارت کی منڈیوں کی حیثیت رکھتے تھے۔

یمن کی تجارت نہایت قدیم ہے۔ یہاں کے سوداگر اعلیٰ درجے کی اشیا فروخت کرتے تھے۔ عدن یمن کی مشہور تجارت گاہ تھا۔ جہاں سندھ' ہندوستان اور چین سے طرح طرح کے بیش قیمت اسباب آیا کرتے تھے۔ حیرہ' بحرین کی بہت بڑی تجارت گاہ تھا۔ یہاں ایران' سندھ' ہندوستان اور افریقہ سے سامان آیا جایا کرتا تھا۔ صنعا قدیم زمانے میں شاہانِ یمن کا دارالسلطنت ہونے کی وجہ سے بہت بڑی تجارت گاہ تھا۔ نجا قہوہ کی مشہور تجارتی منڈی تھی۔ قطیب و کاظمہ میں موتی کی تجارت ہوتی تھی۔ اہلِ یمن ظفار کے تجارتی مقام سے ہندوستان کے ساتھ تجارت کرتے تھے۔ حجاز میں مکہ بہت بڑی تجارت گاہ تھا۔ یہاں قریش کے بڑے بڑے تجّار رہتے تھے۔ اور یمن' شام' عراق' مصر وغیرہ ممالک سے تجارتی کارواں یہاں آیا جایا کرتے تھے۔ جدّہ سے اہلِ حجاز بحری تجارت کرتے تھے۔ ینبع سے حبشہ' مصر' صور اور افریقہ وغیرہ کے ساتھ تجارت ہوتی تھی۔ خیبر میں خرموں کی تجارت ہوتی تھی۔

شام میں تدمور' بعلبک' دمشق وغیرہ مشہور تجارت گاہیں تھیں۔ عراق میں حیرہ اور ابلہ تجارت کے لیے مشہور تھے۔ (نقوش۔ رسولؐ نمبر۔ جلد ۳ مضمون "تجارت العرب قبل الاسلام" از سید شمس اللہ قادری۔ ص ۷۳ - ۷۵) حجاز' یمن' عمان اور بحرین کے باشندوں کی تجارت بہت بڑھی ہوئی تھی۔ (بلوغ الارب فی احوالِ العرب (عربی) جلد اول۔ مطبوعہ بغداد۔ ص ۳۸۳) عرب بائدہ کی قومیں عمالقہ' عاد' ثمود' حمیر تجارت کرتی تھیں۔ بنی قحطان نواحی یمن میں آباد ہو گئے تھے' ان کا پیشہ بھی تجارت و زراعت تھا۔ بنی اسماعیل تجارت کی وجہ سے بہت مالدار ہو گئے تھے۔ دومتہ الجندل' بابل' ہند اور مصر میں تجارت کے لیے شاہراہ کا کام دیتا تھا' یہاں آباد بنی آدوم بھی مشہور تاجر تھے۔ ابنِ خلدون کہتے ہیں کہ قریش کی وجہ تسمیہ ہی تجارت ہے۔ قریشیوں کی تجارت

کے مرکز شام، یمن، حبشہ، فارس، مصر وغیرہ ممالک تھے۔ ابن ہشام کے نزدیک رسولِ کریم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کے جد امجد ہاشم بن عبدِ مناف نے پہلے پہل یمن و شام کے سفر مقرر کیے تھے۔ ابن خلدون اس رائے کو درست نہیں مانتے (نقوش۔ رسولؐ نمبر۔ جلد ۳۔ ص ۷۸)

گو جزیرۂ عرب میں دیگر پیشوں مثلاً کاشتکاری، صنعت و حرفت وغیرہ کا بھی دستور تھا مگر جزیرۂ عرب کی ریتلی اور چٹیل زمین نے عربوں کو تجارت کے پیشے کی طرف پھیر دیا۔ عرب کے بعض علاقے مثلاً یثرب اور طائف اپنی زرخیزی اور کاشت کاری کے لیے مشہور تھے۔ (نور محمد غفاری، پروفیسر ڈاکٹر۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کی معاشی زندگی۔ ص ۲۱) عبدالقدوس ہاشمی لکھتے ہیں۔ "طائف نسبتاً" سرسبز ہے۔ پہاڑی نالوں کا پانی مجتمع ہو کر کھیتی اور باغبانی کے لئے کچھ نہ کچھ کام آجاتا تھا لیکن نہ اس قدر کہ دوسرے حصوں کے لیے غذائی اجناس یہاں سے مہیا ہو سکیں" (خاتونِ پاکستان۔ رسولؐ نمبر حصہ دوم۔ مضمون "رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کی معاشی زندگی" از عبدالقدوس ہاشمی۔ ص ۴۵)۔ طائف کا شہر چرم سازی کے لیے مشہور تھا۔ وہاں دباغت کے کارخانے اس قدر زیادہ تھے کہ آس پاس کا ماحول بدبودار رہتا تھا (اردو دائرۂ معارفِ اسلامیہ۔ جلد ۴۔ مقالہ "طائف") ابوالحسن بلاذری نے "فتوح البلدان" میں لکھا کہ طائف میں تجارت پیشہ یہودیوں کی جماعت رہتی تھی۔ یہ لوگ یمن اور یثرب سے نکالے گئے تھے۔ (بلاذری، ابوالحسن۔ فتوح البلدان۔ الازہر پریس۔ ۱۹۳۲۔ ص ۵۶)

یثرب کسانوں کی بستی کے نام سے مشہور تھا مگر وہاں یہودی ساہوکار اور صنعت کار بھی تھے۔ مدینہ منورہ کے پیشوں کی تفصیل بخاری شریف کی کتاب البیوع میں دی گئی ہے۔

مکہ مکرمہ "وَادٍ غَيْرِ ذِي زَرْعٍ" (ابراہیم۔ ۱۴: ۳۷) تھا۔۔ یہاں نہ کھیتی باڑی تھی، نہ چراگاہ۔ نہ معدنی ذخائر تھے، نہ صنعت کی کوئی قسم۔ البتہ بیت اللہ شریف کی وجہ سے اسے ایک تقدس حاصل تھا۔ کعبۃ اللہ کی زیارت اور طواف کے لیے لوگ قریب اور دور سے یہاں حاضر ہوتے تھے۔ دنیا کے مختلف خطوں سے لوگ تجارتی سامان یہاں لا کر فروخت کرتے اور دوسرا سامان خریدتے تھے۔ اس طرح اسے نہایت اہم تجارتی مرکز کی حیثیت حاصل ہو گئی تھی۔

تجارت کے بعد اہلِ مکہ کا دوسرا بڑا قانونی پیشہ گلّہ بانی تھا۔ مگر چند چھوٹے چھوٹے پیشے بھی رواج پذیر تھے۔ مثلاً یہاں بڑھئی، لوہار، طبیب، درزی، قصاب، پارچہ فروش، عطر فروش، تیل فروش، شراب فروش، غلہ فروش، مویشی فروش وغیرہ تھے (ابو محمد عبداللہ بن مسلم بن قتیبہ نے مکہ کے مختلف رہنے والوں کے کاروبار کے بارے میں لکھا ہے کہ حضرت ابوطالبؑ عطر اور گیہوں کا، حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عثمانؓ پارچہ فروشی کا، حضرت سعدؓ بن ابی وقاص تیر سازی کا، حضرت زبیرؓ کے والد عوام اور حضرت عثمانؓ بن طلحہ درزی کا، حضرت عمروؓ بن العاص اور حضرت زبیرؓ بن عوام قصاب کا، عقبہ بن ابی وقاص بڑھئی کا اور حضرت خبّابؓ لوہار کا کام کرتے تھے۔ ابوسفیان بن حرب تیل اور چمڑا فروخت کیا کرتے تھے۔ ابوجہل کا بھائی عاص بن ہشام اور ولید بن مغیرہ بڑھئی تھے۔ امیّہ بن خلف پھل بیچتا تھا۔ عقبہ بن ابی معیط شراب فروش تھا۔ عبداللہ بن جُدعان جانور پالتے اور ان کے بچے فروخت کرتے تھے۔ حضرت عباس بن عبدالمطلبؓ یمن سے عطر لا کر ایامِ حج میں فروخت کیا کرتے تھے۔ حضرت عمرو بن عاص کے والد حیوانات کے معالج تھے۔ نضر بن حارث رباب پر گاتا تھا۔۔۔ ۔۔ (کتاب المعارف اردو ترجمہ از سلام اللہ صدیقی۔ مطبوعہ لاہور۔ نورانی

کتب خانہ چھاپی ضلع بناس کانٹھا گجرات (انڈیا) نے یہ کتاب "سیرِ انبیا و صحابہ و تابعین" کے نام سے شائع کی)

قریشِ مکہ موسم سرما میں یمن اور موسم گرما میں شام کا تجارتی سفر کرتے تھے۔ قرآنِ پاک میں ان تجارتی سفروں کا ذکر موجود ہے۔ (قریش ۔ ۱۰۶: ۱ ۔ ۲) طبری کے مطابق ان دونوں تجارتی سفروں کا آغاز حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کے جد امجد حضرت ہاشم نے کیا تھا (طبری' ابو جعفر محمد بن جریر' تاریخ۔ ص ۱۰۸۹ بحوالہ نبیؐ کریمؐ کی معاشی زندگی۔ ص ۲۲)

ڈاکٹر نور محمد غفاری نے حسن ابراہیم حسن کی تاریخِ اسلام کے حوالے سے لکھا ہے کہ ان دو اہم تجارتی اسفار کے علاوہ قریشِ مکہ کے قافلے جزیرۃ العرب کے ایک سرے یمن سے دوسرے سرے غزہ' بیت المقدس اور دمشق تک اور بحیرۂ احمر پار کر کے حبشہ جاتے تھے۔ جدہ کی بندرگاہ ان دنوں میں بھی حبشہ اور مکہ کے درمیان تجارتی واسطے کا کام کرتی تھی۔ جدہ ہی سے بحرین کے شہر قطیف تک تجارتی سامان آتا جاتا تھا (حسن ابراہیم حسن۔ تاریخِ اسلام۔ جلد ۲۔ ص ۶۱ بحوالہ نبیؐ کریم صلی اللہ علیہ و سلم کی معاشی زندگی۔ ص ۲۴)

مکہ کے تاجر چمڑا' کھالیں اور طائف کا منقیٰ برآمد کیا کرتے تھے۔ طائف میں بنی ثقیف کے لوگ ہندوستان سے منگوائے ہوئے لوہے سے تیروں کے پھل' تلوار اور نیزے بنا لیتے تھے۔ مکہ کے تاجر یمن' ہند اور افریقہ سے خوشبوئیں' گرم مصالحہ جات اور جڑی بوٹیاں درآمد کیا کرتے تھے۔ یہ اشیا وزن میں کم اور قیمت میں زیادہ ہوتی تھیں۔ چین سے ریشم' عدن سے قیمتی کپڑے' افریقہ سے غلام' کرائے کے سپاہی اور مزدور' شام اور مصر سے قیمتی سامان' روم کی صنعتی پیداوار' خصوصاً" ریشم' روئی اور مخمل کے نفیس کپڑے' شام سے ہتھیار' اناج اور تیل اور افریقہ سے ہاتھی دانت کی مصنوعات اور سونے کی مٹی

وغیرہ در آمد کیا کرتے تھے۔ (یوسفُ الدین' ڈاکٹر۔ اسلام کے معاشی نظریے۔ حصہ اول۔ مطبوعہ حیدر آباد دکن۔ ۱۹۵۰۔ ص ۴۸'۴۹)

عبدالقدوس ہاشمی لکھتے ہیں کہ عرب کے متعلق عام طور پر مشہور ہے کہ یہ لوگ غیر متمدن مفلس' جھگڑالو اور شراب خور و عیّاش تھے۔ لیکن اس سے یہ نہیں سمجھنا چاہیے کہ وہ تمدّن سے واقف نہ تھے۔ ان میں سے بعض لوگ سُود خوری اور نفع اندوزی کے ذریعے اچھی خاصی دولت رکھتے تھے۔ اور اس زمانے کی کوئی تکلف پسندی ایسی نہ تھی جو امرائے طائف اور یہودِ مدینہ میں موجود نہ تھی۔ آج بھی اگر مدینہ منورہ کے جنوب میں دولت مند یہودی ابن ابی الحقیق کے محلات کا کھنڈر دیکھیے تو حیرت ہوتی ہے۔ کیا عالی شان محل تھا۔ پانی کے نل کس طرح سارے محل میں دوڑائے گئے تھے۔ کس اہتمام کے ساتھ حماموں اور نشست گاہوں کو تعمیر کیا گیا تھا (خاتونِ پاکستان۔ رسولؐ نمبر حصہ دوم۔ ص ۴۶)

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آباؤ اجداد کی تجارت

"قریش" نضر بن کنانہ کا خطاب تھا۔ ان کی نسل میں ان کے پوتے فہر بن مالک ہی سے سلسلہ پھیلا' اس لیے یہ خطاب بھی فہر کی طرف منتقل ہو گیا۔ بنو نضر تجارت پیشہ تھے۔ فہر کے تین بیٹے تھے' محارب' حارث' غالب۔ غالب کی اولاد بہت پھلی پھولی۔ قریش کے دسوں خانوادے (بنو ہاشم' بنو نوفل' بنو عبددار' بنو اسد' بنو تیم' بنو مخزوم' بنو عدی' بنو جمح اور بنو سلیم) غالب کی نسل سے تھے۔

قریش کا پیشہ تجارت تھا۔ زراعت کو وہ عار سمجھتے تھے۔ حتیٰ کہ ابو جہل

مرتے وقت بھی زراعت پیشہ لوگوں کے ہاتھ سے قتل ہونے کے عار کو نہ برداشت کر سکا۔ قریش کی تجارت کا سلسلہ بہت وسیع تھا۔ ان کے تجارتی قافلے ملکوں ملکوں پھر کر بیوپار کرتے تھے۔

زرقانی کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے آبا میں حضرت قُصَیّ بن کلاب کو تمام قبائل قریش پر اقتدار حاصل تھا (سعید اختر۔ سیّدُ المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم۔ ص ۱۱) حضرت قصَیّ کے بیٹے عبدِ مناف نے تجارت کے ذریعہ یہ مقام حاصل کر لیا تھا کہ لوگوں کی ناداری اور تنگدستی دور کر دیا کرتے تھے (سلمان منصور پوری، قاضی محمد سلیمان۔ رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم۔ جلد دوم۔ ص ۶۳) احمد زینی دحلان لکھتے ہیں کہ "حضرت قصَیّ کے بعد ان کے بیٹے عبدِ مناف، پھر ان کے بیٹے جناب ہاشم، پھر ان کے بیٹے حضرت عبدالمطلب، پھر ان کے بیٹے جناب ابوطالب حاجت مند حاجیوں کے لیے کھانے کا اہتمام کرتے رہے" (سیرتِ دحلانیہ۔ اردو ترجمہ از صائم چشتی۔ ص ۷۶)

حضرت ہاشم مالِ تجارت لے کر شام گئے۔ واپسی پر لوٹتے ہوئے سب اونٹوں پر روٹیاں اور آٹا لاد لائے اور مکہ پہنچ کر دعوتِ عام کر دی (ابراہیم سیالکوٹی۔ سیرتُ المصطفیٰؐ۔ جلد اول۔ ص ۵۵ / نور بخش توکلی۔ سیرتِ رسولِ عربیؐ۔ ص ۳۳ / سلمان منصور پوری۔ رحمت للعالمینؐ۔ جلد دوم۔ ص ۶۸، ۶۹)

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے جد مکرم حضرت ہاشم بن عبدِ مناف بن قصی وہ پہلے سردار قریش تھے جنھوں نے ہمسایہ قوموں سے تجارتی معاہدے کیے۔ شاہ معین الدین ندوی نے اس کارنامے کو حضرت قصَیّ سے منسوب کیا ہے۔ لکھتے ہیں۔ "قریش کی تجارت کو قصی نے بہت بااصول اور منظم کر دیا تھا۔ نجاشی شاہ حبش اور قیصر شاہ روم سے اجازت نامے حاصل کیے تاکہ قریش آسانی اور امن سے ان کے حدود حکومت میں اپنا تجارتی کاروبار پھیلا سکیں۔

سیرُ الصحابہ۔ جلد دوم۔ مہاجرین حصہ اول۔ ص ۳۷، ۳۸) طبقاتِ ابنِ سعد میں ہے، عبداللہ بن نوفل بن حارث کہتے ہیں کہ ہاشم نے قیصر سے قریش کے لیے یہ عہد لیا تھا کہ امن و امان و حفاظت کے ساتھ سفر کر سکیں، سڑکوں اور راستوں پر اپنا مال و اسباب لے کر گزریں تو انہیں کرایہ و محصول نہ دینا پڑے۔ قیصر نے یہ اجازت نامہ لکھ دیا اور نجاشی (فرمانروائے حبشہ) کو بھی لکھ بھیجا کہ قریش کو اپنے ملک میں داخل ہونے دیں (محمد بن سعد۔ طبقاتِ ابنِ سعد۔ حصہ اول۔ اخبار النبی صلی اللہ علیہ و سلم۔ اردو ترجمہ از علامہ عبداللہ العمادی۔ مطبوعہ کراچی۔ دوسرا ایڈیشن ۱۹۴۴۔ ص ۱۲۰)

قریشِ مکہ تاجر تھے، تجارت ان کے لیے اہم تھی۔ تجارت کے نقطۂ نظر سے انہیں بعض باتوں کی چشم پوشی بھی کرنا پڑتی تھی۔ مثلاً جب حضرت ابوذر غفاریؓ ایمان لائے اور کعبۃ اللہ کے سامنے ببانگِ دُہل اسلام قبول کیا تو قریشِ مکہ ان پر ٹوٹ پڑے۔ لیکن جب انہیں کہا گیا کہ یہ قبیلہ غفار سے متعلق ہیں اور یہ قبیلہ اس راستے پر آباد ہے جس پر شام کے لیے تجارتی قافلے جاتے ہیں تو قریش نے انہیں چھوڑ دیا (صحیح بخاری۔ اسلامِ ابی ذر رضی اللہ عنہ)

جب قریش نے مسلمانوں کو حج سے روکا تو انہوں نے یہ دھمکی دی کہ ہم تمہاری شام کی تجارت روک دیں گے۔

ڈاکٹر سید سبطِ حسن رضوی لکھتے ہیں۔ "بنی ہاشم کا قبیلہ عرب میں کوئی نادار قبیلہ نہ تھا"۔ (ماہنامہ "ماہِ نو" لاہور۔ سیرت نمبر۔ دسمبر ۱۹۸۵۔ مضمون "پیغمبرِ اسلام کا اقتصادی نظام") حضرت ہاشم کے بیٹے حضرت عبدالمطلبؓ نے تجارت میں جو کچھ کمایا، اس کا اندازہ اس امر سے لگایا جا سکتا ہے کہ جب انہوں نے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ و آلہٖ و سلم کی دادی حضرت فاطمہ بنتِ عمرو سے نکاح کیا تو بڑی کوہان والی سو اونٹنیاں اور ایک سو تولے سونا مہر میں دے دیا

(نظام الدین احمد جعفری۔ جنات النعیم فی ذکرِ نبی الکریمؐ۔ ص ۱۳) حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے والد حضرت عبداللہؓ کے فدیہ کے طور پر سو اونٹ ذبح کر دیے (ابراہیم سیالکوٹی۔ سیرت المصطفیٰؐ۔ جلد اول۔ ص ۸۷ / شبلی نعمانی۔ سیرت النبیؐ۔ جلد اول۔ باب "سلسلہ نسب") ابرہہ ان کے سو' (محمد حسین ہیکل۔ حیاتِ محمدؐ۔ ص ۱۱۲) دو سو' (عبدالرحمٰن ابنِ جوزی۔ الوفا باحوالِ المصطفیٰؐ۔ ص ۱۱۹ / معارج النبوت۔ جلد اول۔ ص ۲۷ / رضا مصری' شیخ محمد۔ محمدؐ رسول اللہ۔ ص ۳۶ / ابوالحسن علی ندوی۔ نبیؐ رحمتؐ۔ ص ۸۳) یا چار سو اونٹ ہنکا کر لے گیا (سیرتِ محمدیہؐ۔ ترجمہ المواہب اللدنیہ از علامہ قسطلانی جلد اول۔ ص ۱۳۲ / عبدالحق محدث دہلوی۔ مدارج النبوت۔ جلد دوم۔ ص ۱۰ / شرف النبیؐ۔ ص ۲۴) تو حضرت عبدالمطلبؓ نے انہیں واپس لا کر قربانی کے لیے وقف کر دیا (محمد میاں۔ محمدؐ رسول اللہ۔ ص ۹۰)

حضرت عبداللہؓ کی تجارت

حضور سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے آباو اجداد کا پیشہ تجارت تھا۔ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کے والدِ گرامی تجارت کی غرض سے شام گئے' واپسی پر یثرب میں اپنی ننھیال میں ٹھہرے اور وہیں فوت ہوئے (حیاتِ محمدؐ۔ ص ۱۲۰ / سیرتِ دحلانیہ۔ ص ۱۳۴ / حفظ الرحمان سیوہاروی۔ نور البصر فی سیرت خیر البشرؐ۔ ص ۴۰ / نعیم صدیقی۔ سیدِ انسانیتؐ۔ ص ۴۶) قاضی محمد سلیمان سلمان منصور پوری لکھتے ہیں کہ واپسی کے وقت مدینے میں اس لیے ٹھہرے تھے کہ اپنے باپ کے حکم کے موافق وہاں سے کھجوروں کا سودا کرلیں (رحمت للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم۔ جلد دوم۔ ص ۹۲)

اگرچہ اس وقت حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کی عمر کچھ زیادہ نہ تھی

لیکن یہ بات واضح ہے کہ انہوں نے بھی اپنے آبائی پیشہ تجارت ہی کو اختیار کیا تھا اور اسی سفر میں آپ کا انتقال ہوا۔

حضرت عبداللہؓ کا ترکہ

محمد حسین ہیکل' سید اولادِ حیدر فوقؔ بلگرامی' نور بخش توکّلی' حفظ الرحمان سیوہاروی' عبدالمصطفیٰ اعظمی اور دوسرے بہت سے سیرت نگار' حضرت عبداللہؓ کے ترکہ کے طور پر پانچ اونٹ' بکریوں کے ایک ریوڑ اور برکہ (حضرت اُمِ ایمنؓ) کا نام لیتے ہیں (حیاتِ محمدؐ۔ ص ۱۲۰ / اسوۃ الرسولؐ۔ جلد دوم۔ ص ۳ / سیرتِ رسولِ عربیؐ۔ ص ۴۰ / نور البصر فی سیرتِ خیر البشرؐ۔ ص ۴۰ / سیرتِ مصطفیٰؐ۔ ص ۴۹) ابوالاعلیٰ مودودی بھی متن میں یہی لکھتے رہے لیکن حاشیے میں لکھتے ہیں۔ "ایک روایت یہ بھی ہے کہ ترکہ میں صرف ایک اونٹ اور ایک لونڈی تھی"۔ (سیرتِ سرورِ عالمؐ۔ جلد دوم۔ ص ۹۵) حالانکہ ابنِ قتیبہ کا کہنا ہے کہ شقران کے بارے میں مجھ سے زید بن اخزم نے کہا کہ انہوں نے عبداللہ بن داؤد سے سنا تھا کہ شقران صالح حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو اپنے والد حضرت عبداللہؓ سے میراث میں ملے تھے (کتاب المعارف۔ ص ۱۳۵ / اظہر محمود۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے سیاہ فام رفقا۔ اختر کتاب گھر' لاہور۔ ۱۹۹۳۔ ص ۱۷) / مصباح الدین شکیل' شاہ۔ سیرتِ احمدِ مجتبیٰؐ۔ جلد اول۔ ص ۵۸)

حقیقت یہ ہے کہ حضرت عبداللہؓ نے اپنی میراث میں ایک مکان بھی چھوڑا (فاروق' ایم ڈی۔ تاریخِ محمدؐ۔ مطبوعہ لاہور۔ ۱۹۹۳۔ ص ۲۱۱) تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اسی مکان میں پیدا ہوئے۔ یہ مکان مکۂ معظمہ میں سرائے محمد یوسف کے نام سے مشہور رہا اور اس کی زیارت کی جاتی رہی۔ اس

محلے کا نام زقاق المولد تھا اور یہ شعب بنی ہاشم میں تھا (عبداللہ بن محمد بن عبدالوہاب، شیخ۔ مختصر سیرۃ الرسولؐ۔ ص ۹، ۱۰ / سیرتِ احمدِ مجتبیٰؐ۔ جلد اول۔ ص ۵۸) جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام بنی سعد سے واپس آئے تو اپنی والدۂ ماجدہ کے ساتھ اپنے والد کے مکان میں رہنے لگے (علی اصغر چودھری۔ نبیٔ اکرمؐ کا شانہ نبوی میں۔ ص ۱۲) حضرت عبداللہ کی میراث میں چاندی اور تلوار کا ذکر بھی ملتا ہے۔ (ابنِ اثیر۔ اُسد الغابہ فی معرفتِ الصحابہ۔ جلد اول۔ ص ۱۵) مکان اور دوسری چیزوں کے علاوہ مکہ میں حضرت عبداللہؓ کی خیاطی کی ایک دکان بھی تھی جہاں کپڑا بکتا اور سِلتا تھا (سیرتِ احمدِ مجتبیٰؐ۔ جلد اول۔ ص ۵۸)

ترکے میں جن چیزوں کا ذکر اس طرح بکھرا ہوا ملتا ہے، ان کے علاوہ سب سے بڑا مسئلہ تو یہ ہے کہ حضرت عبداللہؓ جو سامانِ تجارت لے کر گئے تھے، اس کی اصل رقم کے علاوہ اس سے ہونے والے منافع کی رقم کہاں گئی۔ اس کا ذکر سیرت کی کتابوں میں کیوں نہیں ملتا۔ اب کچھ سیرت نگاروں نے البتہ اس طرف توجہ دی ہے۔ شاہ مصباح الدین شکیل لکھتے ہیں کہ "سامانِ تجارت میں بہت کچھ نقد و جنس یعنی چمڑا اور کھجور بھی آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے والد محترم نے چھوڑا جو قریش کے دستور کے مطابق تجارت میں لگایا جاتا اور اسی مناسبت سے منافع تقسیم کیا جاتا"۔ (سیرتِ احمدِ مجتبیٰؐ۔ جلد اول۔ ص ۵۸)

ایم ڈی فاروق لکھتے ہیں کہ "حضرت عبداللہ کی وفات پر ان کی دولت، مویشی آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو ورثے میں ملے۔ اس لیے آپؐ ابتدا ہی سے مالی لحاظ سے کسی کے محتاج نہ تھے...... آپؐ کے والد جناب عبداللہؓ بھی تاجر تھے۔ اس لیے اپنی وفات کے بعد حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے لیے معقول سرمایہ، پانچ اونٹ، بکریوں کا ایک ریوڑ، ایک کنیز اِم ایمن برکہ اور اپنا ذاتی مکان شعبِ بنوہاشم میں چھوڑ کر گئے تھے۔ یہ سب کچھ آپؐ کو

وراثت میں ملا..... آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے والدِ ماجد حضرت عبداللہؓ تاجر تھے۔ شعبِ بنی ہاشم میں ان کا اپنا مکان تھا۔ ان کے پاس اونٹ بھی تھے اور بکریاں بھی۔ اور واضح رہے کہ بیرونی ملکوں کے ساتھ تجارت کے لیے کافی سرمایہ درکار ہوتا ہے۔ ان حوالوں سے یہ عیاں ہے کہ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اپنے شفیق تایا زبیرؓ کے تجارتی سفروں میں ان کی معیت' معاونت اور تربیت سے فائدہ حاصل کیا اور آپؐ اپنے تایا کے ساتھ شریکِ تجارت رہے"۔ (تاریخِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔ ص ۲۰۹' ۲۱۰' ۲۲۵' ۲۱۱)

سیدہ آمنہؓ نے پیسہ تجارت میں لگائے رکھا

جب ہم نے "سیرتِ پاک" کا یہ منصوبہ شروع کیا تو میرے والدِ مکرم راجا رشید محمود (ایڈیٹر ماہنامہ "نعت" لاہور) کو ان کے کئی احباب نے مشورہ دیا کہ مُسلّمہ باتوں کو نہ چھیڑیں' سیرت کے بنیادی منابع ہی سے استفادے پر اکتفا کریں لیکن ہم نے فیصلہ کیا کہ بنیادی منابع کے ذریعہ جو ایسی معلومات ہم تک پہنچی ہیں جنھیں صحیح ثابت نہیں کیا جا سکتا یا معلوم حقائق نے انہیں غلط ثابت کر دیا ہے' ان کے بارے میں کسی رو رعایت' یا منافقت یا مداہنت سے کام لیے بغیر سچ لکھیں۔ اور پیشِ نظر صرف یہ حقیقت ہو کہ عزت و تکریم ہمارے آقا و مولا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہے جن کی عزت و توقیر کا حکم نصِ قرآنی کے ذریعے ہم تک پہنچا ہے۔ جہاں کوئی بات ہمارے سرکار صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے مقام سے فروتر لکھی گئی ہے' تحقیق و تفحص کے ذریعے اس کی تغلیط کی جائے اور اس سلسلے میں یہ سوچنے کی زحمت گوارا نہ کی جائے کہ تغلیط کس کے لکھے کی ہو رہی ہے۔ میں نے اللہ کے فضل و کرم اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی رحمت کے زیرِ سایہ پہلی جلد میں بھی یہی راہ اختیار کی ہے اور ہم

ان شاء اللہ "سیرت پاک" کی چودہ یا پندرہ جلدوں میں اسی صراطِ مستقیم پر گامزن رہیں گے۔

ہمارے بزرگ سیرت نگار حضرت عبداللہؓ کے سامانِ تجارت کی بات ہی گول کر گئے لیکن ہم اس کا ذکر اس لیے کر رہے ہیں کہ وہ مکہ سے شام کی طرف تجارت کے لیے خالی ہاتھ تو نہ گئے ہوں گے' پھر وہاں سے خالی ہاتھ واپس تو نہیں آ رہے ہوں گے۔ یثرب سے کھجوریں خریدنا تھیں تو وہ رقم کیا ہوئی جس سے کھجوریں خریدنا تھیں؟ کھجوریں خرید لی تھیں تو وہ کہاں گئیں؟ ان سوالات کے جواب میں سیرت کے منبع کی حیثیت رکھنے والی کتابیں اگر خاموش ہیں تو کیا ضروری نہیں کہ ہم کم از کم ایک عام عقلی سطح کے آدمی ہی کی طرح قیاس کریں کہ کیا ہوا ہوگا۔

دو ہی صورتیں ہیں' یا تو سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا نے اس رقم کو کسی رشتہ دار تاجر کے ذریعے کاروبار میں لگا دیا جیسا کہ ایم ڈی فاروق نے "تاریخِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم" میں لکھا ہے۔ "ان کی والدۂ ماجدہ ایک مدبّر اور دور اندیش خاتون تھیں' اس لیے انہوں نے اپنے مرحوم خاوند کے ترکہ کی حفاظت کی اور اسے کاروبار میں لگایا۔ اور اپنے لختِ جگر کے شفیق تایا زبیرؓ کے ذریعے جو ایک کامیاب تاجر تھے' اس سرمائے میں اضافہ کرتی رہیں" (تاریخِ محمد صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم۔ ص ۲۱۰)

دوسری صورت یہ ہے کہ حضرت عبداللہؓ کی بیماری کی خبر سن کر یثرب جانے والے حضرت حارثؓ یا حضرت زبیرؓ مدینہ سے وہ مال تجارت اور رقم بھی لے آئے ہوں جو حضرت عبداللہؓ چھوڑ گئے تھے اور لا کر اپنے والد حضرت عبدالمطلبؓ کے حوالے کر دی ہو کیونکہ حضرت عبداللہؓ کی وفات کے بعد ان کی ہر چیز اور گھر بار کے سرپرست حضرت عبدالمطلبؓ ہی ہو سکتے تھے۔

اگر پہلی بات درست ہو تو بھی جب سیدہ آمنہ سلام اللہ علیہا کا انتقال ہوا، اور حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کی پرورش اور نگرانی کی ذمہ داری حضرت عبدالمطلبؓ نے اپنے ذمے لے لی، (سلمان منصور پوری۔ رحمت للعالمینؐ۔ جلد اول۔ ص ۴۱ / النبی الاطہرؐ۔ ص ۵۳) اس وقت سے حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کے ملکیتی مال تجارت کے نگران وہ ٹھہرے۔ جب تک حضرت عبدالمطلبؓ حیات رہے، وہ خود بھی یہ ذمہ داری نبھا سکتے تھے اور اپنے بیٹوں میں سے کسی کو بھی سونپ سکتے تھے۔ لیکن اگر سیدہ آمنہؓ نے اور ان کے بعد حضرت عبدالمطلبؓ نے حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کا کاروبارِ تجارت حضرت زبیرؓ کو سونپا ہوتا تو کوئی وجہ نہیں تھی کہ اپنے انتقال کے وقت حضرت عبدالمطلبؓ حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کی نگہداشت کی ذمہ داری ان کو نہ سونپتے۔ جب انہوں نے اپنے آخری ایام میں حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کی ساری ذمہ داری حضرت ابوطالبؓ کے سپرد کر دی (عبدالمالک بن عثمان نیشا پوری۔ شرف النبیؐ۔ ص ۵۱ / رسالت مآبؐ۔ ص ۲۵ / ساجد الرحمان۔ سیرتِ رسولؐ۔ ص ۱۰) تو اس کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ اس سے پہلے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مالِ تجارت کی نگرانی اور کاروبار کا انتظام حضرت ابوطالبؓ ہی کے سپرد تھا۔ ایک صورت یہ بھی ہو سکتی ہے کہ حضرت عبداللہؓ کے انتقال کے بعد یہ مال حضرت عبدالمطلبؓ کی زیرِ نگرانی رہا ہو اور اپنے آخری وقت میں انہوں نے یہ ذمہ داری حضرت ابوطالبؓ کے سپرد کر دی ہو۔

ایم ڈی فاروق نے لکھا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کا تمام کاروبارِ تجارت تایا زبیرؓ ہی کے زیرِ نگرانی رہا (تاریخِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔ ص ۲۱۰) ابنِ قتیبہ کی کتاب المعارف کے حاشیے میں سلام اللہ صدیقی مترجم نے، (کتابُ المعارف۔ ص ۱۰۲) شبلی نعمانی کی کتاب کے حاشیے میں محمد احسان الحق

نے (شبلی۔ سیرتِ طیبہ۔ ترجمہ از میمونہ سلطان شاہ بانو۔ ص ۲۹ - ۳۱) اور ماہنامہ "محفل" لاہور کے خیر البشرؐ نمبر میں محمد اسلم نے (محفل۔ خیر البشرؐ نمبر۔ ۱۹۸۱۔ ص ۱۸۰، ۱۸۱۔ مضمون "حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کی مکی زندگی کے چالیس سال") لکھا ہے کہ جب تک حضرت زبیرؓ زندہ رہے، حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کی پرورش انہوں نے کی اور ان کی وفات کے بعد یہ ذمہ داری حضرت ابوطالبؓ کے حصے میں آئی۔ مگر سیرتِ دحلانیہ (سیرتِ دحلانیہ۔ اردو ترجمہ۔ ص ۲۴۲، ۲۴۳) کے مطابق محققین کے نزدیک یہ روایت مردود ہے کہ زبیرؓ نے پرورش کی اور ان کے بعد ابوطالبؓ کی باری آئی۔

اگر حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کے کاروبارِ تجارت کے نگران حضرت زبیرؓ ہوتے تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حضرت ابوطالبؓ کے ساتھ سفرِ شام پر جانے کا کوئی جواز نہیں نکلتا۔ اس سفر پر حضرت ابوطالبؓ آپؐ کو اسی لیے تو لے گئے تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم ان کے شریکِ تجارت تھے اور آیندہ کے لیے انہیں اپنا کام خود سنبھالنا تھا۔

بہرحال، اس حقیقت کو تسلیم کیے بغیر چارہ نہیں کہ سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا نے حضرت عبداللہؓ کے ترکے میں ملنے والا سامانِ تجارت اور رقم تجارت میں لگائے رکھی۔ یہ ذمہ داری حضرت عبدالمطلبؓ نے خود سنبھالی ہو یا کچھ عرصے کے لیے حضرت زبیرؓ نے، یا حضرت ابوطالبؓ ہی نے۔

حضرت زبیرؓ کے ساتھ تجارتی سفر

محمد احسان الحق، شبلی نعمانی کی کتاب "سیرتِ طیبہ" کے حاشیے میں لکھا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم سِن شعور کو پہنچنے کے بعد اپنے چچا زبیرؓ کے ہمراہ تجارتی سفروں میں شریک ہوا کرتے تھے (شبلی۔ سیرتِ طیبہ۔ ص ۳۱) ایم

ڈی فاروق بھی لکھتے ہیں۔ "آنحضرت (صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم) نے اپنے شفیق تایا زبیرؓ کے تجارتی سفروں میں ان کی معیت، معاونت اور تربیت سے فائدہ حاصل کیا اور آپؐ اپنے تایا کے ساتھ شریکِ تجارت رہے"۔ "تجارتی سفروں میں جناب زبیرؓ ہی آنحضرت (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) کو اپنے ساتھ رکھتے تھے"۔ (تاریخ محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔ ص ۲۱۱، ۲۰۸)

ایم ڈی فاروق حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے ساتھ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نکاح کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں۔ "اس وقت تک آپؐ شام، یمن، بحرین وغیرہ کے کئی تجارتی سفر کر چکے تھے اور حقیقت بھی یہی ہے کہ آپؐ نے دس سال کی عمر میں اپنے تایا زبیرؓ کی معیت میں یمن کا سفر کیا"۔ (ایضاً"۔ ص ۲۱۰)

انہوں نے عمر مبارک دس سال بتائی ہے جبکہ عام سیرت نگار ۱۶ سال (محمد رضا مصری، شیخ۔ محمدؐ رسول اللہ۔ ص ۶۰ / نقوش۔ رسولؐ نمبرؐ۔ جلد ۲۔ ص ۴۷۵ / آلِ احمد رضوی، سید۔ ہمارے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم۔ ص ۳۷) ۱۷ سال (جمال حسینی۔ رسالت مآبؐ (روضۃ الاحباب کا اردو ترجمہ از مفتی عزیز الرحمان۔ ص ۲۸) اور ۱۹ سال (سیرتِ دحلانیہ۔ ص ۲۶۴، ۲۶۵) بتاتے ہیں۔ بہرحال، اس سفر کے متعلق ابوالجلال ندوی کہتے ہیں کہ یہ سفر یمن کی طرف کیا گیا تھا اور "اس سفر میں آپ کے ساتھیوں نے بہت کامیاب تجارت کی۔ آپ کے تجارتی مشاغل نے آپ کو ان بہت سی خرابیوں سے واقف کرا دیا جو عربی اصول تجارت میں داخل تھیں۔ احادیث میں بیع و شرا سے متعلق جو اوامر و نواہی ملتے ہیں، ان کے پس پشت آپؐ کے تاجرانہ تجربات بھی جھانکتے نظر آتے ہیں"۔ (نقوش۔ رسولؐ نمبر۔ جلد ۲۔ ص ۴۷۵)

امام عبدالرحمان ابنِ جوزی لکھتے ہیں کہ جب عمر مبارک تیرہ سال یا

اس سے ذرا متجاوز ہوئی تو اپنے چچا زبیرؓ کے ساتھ عازمِ سفر ہوئے۔ اثنائے سفر میں ایک وادی میں ایک مست اونٹ راہروؤں کی راہ روکے ہوئے تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ و سلم کو دیکھ کر بیٹھ گیا اور اپنے سینے کو زمین پر رگڑنے لگا اور آپ کو وادی سے پار چھوڑ کر آیا۔ واپسی پر پانی سے ڈوبی ہوئی وادی ملی۔ حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ و سلم نے پانی میں قدم رکھا تو خشک ہو گیا اور سارا قافلہ وادی سے صحیح سلامت گزر گیا (الوفا باحوالِ المصطفیؐ۔ اردو ترجمہ از محمد اشرف سیالوی۔ ص ۱۳۲۔ سیرتِ دحلانیہ میں احمد زینی دحلان نے بھی یہ واقعہ نقل کیا ہے۔ اردو ترجمہ۔ ص ۲۶۴، ۲۶۵) ڈاکٹر اسپرنجر اس واقعے کی تردید کرتا ہے (محمد رضا، شیخ۔ محمدؐ رسول اللہ۔ ص ۶۰)

اس سفر کے بارے میں "روضۃ الاحباب" میں ہے کہ حضرت زبیرؓ بن عبدالمطلبؓ اور بروایتِ دیگر حضرت عباسؓ نے حضرت ابوطالبؓ کی خدمت میں گزارش کی کہ آپ ہمارے ساتھ محمد (صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم) کو بھی یمن کی طرف بھیج دیں۔ حضرت ابوطالبؓ نے مان لیا اور آپؐ کو یمن بھیج دیا (رسالتمآبؐ۔ ص ۲۸)

اس طرح کم از کم ایک تجارتی سفر تو حضرت زبیرؓ کی ہمراہی میں ثابت ہوتا ہے۔ ہو سکتا ہے، ایک سے زیادہ، بلکہ کئی مرتبہ ایسا ہوا ہو۔ لیکن اس سے ایم ڈی فاروق یا احسان الحق کی تائید نہیں ہوتی کہ حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم نے تمام اسفارِ تجارت حضرت زبیرؓ ہی کے ساتھ کیے۔ یہ بات البتہ طے ہے کہ ۱۶، ۱۷، یا ۱۹ سال کی عمر میں خاصے اصرار کے ساتھ حضرت زبیرؓ یا حضرت عباسؓ کا حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کو ساتھ لے جانا محض سیر کرانے کے لیے نہیں تھا بلکہ یہ تجارتی سفر تھا اور لازماً" اس میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام خود یا اگر آپؐ کم سن تھے تو حضرت زبیرؓ آپ کا سامانِ تجارت لے گئے ہوں

گے۔

حضرت ابو طالبؓ کے ساتھ تجارتی سفر

"آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر قریبا" بارہ سال کی ہو گی کہ ابو طالب نے حسبِ دستور شام کا ارادہ کیا۔ سفر کی تکلیف یا کسی اور وجہ سے وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نہیں لے جانا چاہتے تھے لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ابو طالب سے اس قدر محبت تھی کہ جب ابو طالب چلنے لگے تو آپ ان سے لپٹ گئے۔ ابو طالب نے آپ کی دل شکنی گوارا نہ کی اور ساتھ لے لیا"۔ (شبلی نعمانی۔ سیرتُ النبیؐ۔ جلد اول۔ باب "ظہورِ قدسی"۔ ذیلی عنوان "سفرِ شام")

یہ بات تو سمجھ میں آتی ہے کہ آقا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام بارہ سال (عنایت احمد کاکوروی، مفتی۔ تواریخ حبیبِ الٰہ۔ ص ۱۹ / یوسف بن اسماعیل نبہانی۔ انوارِ محمدیہؐ (تلخیص المواہب اللدنیہ) ص ۵۳ / شاہ ولی اللہ دہلوی۔ سیرتُ الرسولؐ۔ ص ۲۶ / محمد رضا، شیخ۔ محمدؐ رسول اللہ۔ ص ۵۱ / فوق بلگرامی، سید اولادِ حیدر۔ اسوۃ الرسولؐ۔ جلد دوم۔ ص ۵۲) یا ۱۱ سال (عبدالصمد صارم۔ محمدؐ رسول اللہ۔ ص ۱۱) یا ۹ سال (مصطفیٰ غلامینی، شیخ۔ سیرتُ المختارؐ۔ ص ۲۹ / اسلم جیراجپوری۔ نودرات۔ ص ۱۰ / نبیؐ رحمتؐ۔ ص ۱۰۶) کی عمر میں حضرت ابو طالبؓ کے ساتھ شام کے تجارتی سفر پر گئے۔ حضرت ابو طالبؓ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سرپرست و نگران تھے، آپؐ کے تجارتی امور بھی انہی کی نگرانی میں تھے۔ مجھے یقین ہے کہ وہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو خود ساتھ لے گئے ہوں گے تاکہ انہیں تجارتی رموز سے بھی آگاہ کیا جائے اور تجارتی معاملات میں انہیں باقاعدہ شریک بھی کیا جائے۔ اس سلسلے میں آپؐ کی محبت

آمیز بچگانہ ضد کی کہانی محض کہانی معلوم ہوتی ہے۔ علامہ ذہبی نے لکھا ہے کہ میں اس حدیث کے بعض واقعات کو موضوع، جھوٹا اور گھڑا ہوا خیال کرتا ہوں (مستدرک حاکم مع تلخیص از ذہبی۔ بحوالہ سیرتُ النبیؐ۔ جلد اول۔ از شبلی۔ باب "ظہورِ قدسی")۔

حافظ ابن حجر کہتے ہیں کہ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت بلالؓ کی شرکت کا حصہ غلطی سے اس روایت میں شامل ہو گیا ہے۔ (شبلی۔ سیرت النبیؐ۔ جلد اول) لیکن محمد ابراہیم سیالکوٹی کا کہنا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم نے بیس سال کی عمر میں ایک اور سفر شام کیا تھا۔ انہوں نے اس سلسلے میں حاشیے میں تفصیلی بحث کی ہے۔

شبلی نعمانی نے اس روایت کو درست نہیں مانا۔ ان کی مجبوری یہ ہے کہ ان کے پیشِ نظر مستشرقین کے اعتراضات ہیں یا ان کے نکالے ہوئے نتیجے۔ اور، وہ عام طور پر یہی طریقہ اختیار کرتے ہیں کہ یا تو واقعے کا ذکر ہی نہیں کرتے یا ذکر کرتے ہیں تو اس کی روایت یا روایات کو درست نہیں مانتے۔

ہمارے نزدیک سفر شام میں حضرت ابوطالبؑ کے ہمراہ حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا جانا درست ہے، اس کی وجہ تجارت میں شرکت ہے۔ اس واقعے میں حضرت ابوبکرؓ اور حضرت بلالؓ کی معیت ثابت نہیں ہوتی۔ اور، اس میں حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی ضد پر حضرت ابوطالبؑ کا انہیں مجبوراً ساتھ لے جانا محض افسانہ ہے۔

عبدالرحمٰن ابن جوزی اور احمد زینی دحلان نے حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کے بچپن میں حضرت ابوطالبؑ کے ساتھ وادیٔ ذی المجاز میں جانے کا ذکر کیا ہے۔ یہ مقام وادیٔ عرفات سے تین میل کے فاصلے پر ہے اور یہاں جاہلیت کے زمانے میں میلا کرتا تھا۔ اس سفر میں حضرت ابوطالبؑ کو پیاس لگی

حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کے پاؤں کی ٹھوکر سے چشمہ جاری ہو گیا۔ انہوں نے پانی پی لیا تو زمین پہلے جیسی ہو گئی۔ (الوفا۔ ص ۶۸ / سیرتِ دحلانیہ۔ ص ۲۶۴)

چونکہ ہمارے سیرت نگاروں کے نزدیک آقا حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم شروع سے آخر تک مفلوکُ الحال رہے' اس لیے انہوں نے ایسے کسی سفر کے بارے میں یہ سوچا تک نہیں ہے کہ یہ تجارتی سفر بھی ہو سکتا ہے۔ اب یہ بات تو واضح ہے کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم محض میلا دیکھنے کے لیے تو ذی المجاز تشریف نہیں لے گئے ہوں گے۔ ہاں' عرب کے مختلف مقامات پر جو میلے لگتے تھے' ان میں لوگ سامانِ تجارت فروخت کرتے اور خریدتے تھے۔ یقیناً" سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ سفر بھی تجارتی نوعیت کا ہو گا اور حضرت ابوطالبؓ چونکہ حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کے شریکِ تجارت تھے' اس لیے آپ کو ساتھ لے گئے ہوں گے۔

ہو سکتا ہے' حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے پیارے چچا حضرت ابوطالبؓ کے ساتھ اور بھی کچھ تجارتی سفر کیے ہوں' جن کا ذکر کسی نے نہیں کیا۔

دیگر تجارتی سفر

علّامہ شبلی نعمانی لکھتے ہیں کہ اہلِ مکہ تجارت کی غرض سے سفر کرنے کے عادی تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم نے بھی اس تقریب سے متعدد سفر کیے۔ شام اور بصریٰ کے علاوہ اور مقاماتِ تجارت میں بھی آپ کا تشریف لے جانا ثابت ہے۔ (شبلی۔ سیرتُ النبیؐ۔ جلد اول۔ باب "ظہورِ قدسی"۔ عنوان "حدودِ سفر") میجر احسان الحق نے لکھا کہ رسولُ اللہ (صلی اللہ

علیہ و آلہ وسلم) اوائل عمر میں ہی حضرت ابوطالب کے ساتھ تجارتی مہموں پ
جاتے رہے اور جب بڑے ہوئے تو انہوں نے تجارت کو ہی ذریعۂ معاش بنا
(ہفت روزہ "ہلال" راولپنڈی۔ ۱۲ مارچ ۱۹۷۶۔ ص ۴۰۔ مضمون "رسولِ اکر
صلی اللہ علیہ وسلم بحیثیتِ تاجر")

ایم ڈی فاروق نے شام کے علاوہ کئی اور مقامات کا ذکر کرتے ہوئے
لکھا کہ نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان مقامات کا سفر بھی کیا تھا اور خوب
کی تھی (تاریخ محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔ ص ۱۳۰، ۲۲۵) سید محمد رضوان او
انتظام اللہ شہابی نے بھی لکھا ہے کہ تجارت کے سلسلے میں آنحضرت صلی اللہ
علیہ و آلہ وسلم نے بھی ان مقامات کے متعدد سفر کیے (سیرت الرسولؐ من
القرآن۔ مطبوعہ کراچی۔ ۱۹۶۳۔ ص ۹۰)

شام کا دوسرا سفر

سیرت کی ہر کتاب میں حضرت ابوطالبؓ کے ساتھ آقا حضور صلی اللہ
علیہ و آلہ وسلم کے سفرِ شام کا ذکر موجود ہے۔ محمد ابراہیم سیالکوٹی شام کے
دوسرے سفر کا بھی ذکر کرتے ہیں جو سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے
حضرت ابوبکرؓ کی معیت میں کیا۔ اور لکھتے ہیں کہ وہ سفر بھی تاجرانہ تھا (سیرت
المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم۔ حصہ اول۔ ص ۱۳۶) دوسری جگہ پر "سیریا کا دوسرا
سفر" کے زیرِ عنوان لکھتے ہیں۔ "جب آپؐ کی عمر شریف بیس سال کی ہوئی
آپؐ نے حضرت ابوبکرؓ کی معیت میں دوسری دفعہ سیریا کا سفر تجارت کیا۔ اس
کا ذکر عام اہلِ سیرت نے نہیں کیا"۔ حاشیے میں اس پر تفصیلی بحث کرتے ہیں
انہوں نے علامہ شبلی کی جرح پر بھی گفتگو کرتے ہوئے کہا کہ روایت کے مرسل
ہونے کی وجہ سے اسے ناقابلِ اعتبار کہنا اصول محدثین کے خلاف ہے (ایضاً

ص ۱۳۶، ۱۳۷)

ابوالجلال ندوی بھی اس سفر کو شام کا دوسرا سفر قرار دیتے ہیں۔ جس میں حضرت ابوبکرؓ کی عمر ۱۸ سال اور حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ و سلم کی عمر بیس سال تھی۔ لکھتے ہیں کہ یہ سفر تجارت کی غرض سے تھا اور اسی سفر نے حضرت ابوبکرؓ کو آپؐ کا زندگی بھر کا رفیق بنا دیا۔ انہوں نے یہ واقعہ بھی لکھا ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ایک درخت کے سائے میں تشریف فرما تھے کہ ایک راہب نے حضرت ابوبکرؓ سے ان کا اسم گرامی پوچھا اور پھر کہا کہ یہی وہ ہیں جن کی نوید حضرت سلیمانؑ نے دی تھی (نقوش۔ رسولؐ نمبر۔ جلد ۲۔ ص ۴۷۵)

شام کا تیسرا سفر

یہ وہ مشہور سفر ہے جو حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ و سلم نے حضرت خدیجہؓ کے شریکِ تجارت کی حیثیت سے کیا۔ اگرچہ اکثر سیرت نگار حضرات اس موقع کے لیے حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ و سلم کو ملازمت میں دے دیتے ہیں یا اُجرت پر بھیج دیتے ہیں۔

اس سفر کے بارے میں تفصیلی گفتگو آیندہ ہو گی۔ یہ بات البتہ طے ہے کہ اس سفر کے بارے میں تمام سیرت نگار متفق ہیں۔

شام کا چوتھا سفر

شام کا پہلا سفر حضرت ابوطالبؓ کے ساتھ تھا، اس وقت حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ و آلہٖ و سلم کی عمر مبارک نو یا بارہ سال تھی۔ پھر بیس برس کی عمر میں آپ صلی اللہ علیہ و آلہٖ و سلم نے حضرت ابوبکر (رضی اللہ عنہ) کے ساتھ شام کا سفر کیا۔ عام سیرت نگار شام کے ان دونوں سفروں کو ایک سفر سمجھتے ہیں اور حضرت ابوبکرؓ کو بھی کم سن گردانتے ہوئے اعتراض اٹھاتے ہیں۔ شام کا تیسرا

سفر جس کا ذکر اوپر آچکا ہے اور تفصیلی ذکر آگے آئے گا' وہ ہے جو آپ نے
میسرہ کے ساتھ کیا۔ آر' وی' سی' باڈلے حضرت خدیجہؓ کی "ملازمت" میں آنے
کے بعد شام کے ایک اور سفر کا ذکر کرتے ہیں جو آپ (صلی اللہ علیہ و آلہ
و سلم) نے تجارتی قافلہ لے کر دمشق تک کیا (باڈلے۔ آر' وی سی۔ الرسولؐ۔
اردو ترجمہ از ڈاکٹر ایم ایس ناز۔ ص ۸۹)

یمن کے سفر

یمن (یمن کے بارے میں امام ابوعبید لکھتے ہیں کہ یہ ملک عہدِ رسالت
میں نو ہجری میں فتح ہوا۔ ماہنامہ "فکر و نظر" اسلام آباد۔ جون ۱۹۷۸۔ ص ۴۳
مضمون "اسلام کی معاشرتی بہبود از ڈاکٹر محمد یُوسُف گورایہ") کی طرف حضرت
زبیر رضی اللہ عنہ کے ساتھ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سفر کا ذکر پہلے ہو چکا
ہے۔ عبدالقدوس ہاشمی یمن کی طرف ایک اور سفر کا ذکر بھی کرتے ہیں جو ان
کے بقول' حضرت خدیجہؓ اور قریش کے دوسرے تاجروں کے مال کے ساتھ کیا
گیا۔ (خاتونِ پاکستان۔ رسولؐ نمبر۔ حصہ دوم۔ ص ۴۹) یعنی ان کے نزدیک
سفر میسَرہ اور خزیمَہ کی ہمراہی والے سفرِ شام کے بعد کا تھا۔ محمد کلیم ارائیں لکھتے
ہیں کہ میسرہ اور خزیمہ کے ساتھ سفرِ شام سے واپسی پر حساب کتاب کے فوراً
بعد حضرت خدیجہؓ نے یمن کی طرف تجارتی سفر کو کہا اور حضور صلی اللہ علیہ
و آلہ و سلم نے اسے منظور فرمالیا (محمد کلیم ارائیں۔ سرورِ عالمؐ کے سفر مبارک۔
ص ۴۶) سید مہربان علی رضوی حضرت ابوطالبؓ کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ
ان کا عزیز از جان بھتیجا بھی بغرضِ تجارت یمن میں جا چکا تھا (پندرہ روزہ
"الایمان" لاہور۔ یکم و ۱۵۔ اپریل ۱۹۷۸۔ ص ۱۹۔ مضمون "سرورِ کائنات صلی
اللہ علیہ و آلہ و سلم اور تجارت") "سیرتُ الرسولؐ من القرآن" میں اس

کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کے تجارتی تعلقات کا اور متعدد سفروں کا ذکر کیا گیا ہے (سیرت الرسولؐ من القرآن۔ ص ۹۰)

عبدالمصطفیٰ اعظمی' پروفیسر اختر راہی' ایم ڈی فاروق اور محمد شفیع خاں بلوچ بھی دوسرے ممالک کے علاوہ یمن میں تجارت کی غرض سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے جانے کا ذکر کرتے ہیں (عبدالمصطفیٰ اعظمی۔ سیرتِ مصطفیٰؐ۔ مطبوعہ ساہیوال۔ ۱۹۸۱۔ ص ۷۵ / ماہنامہ محدث لاہور۔ رسولِ مقبولؐ نمبر۔ حصہ اول۔ ص ۱۳۰۔ مضمون "رسولِ مقبولؐ کی معاشی زندگی" از اختر راہی / تاریخِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔ ص ۲۱۰' ۲۲۵ / ماہنامہ "روحانی ڈائجسٹ" کراچی۔ اکتوبر ۱۹۸۳ء ص ۸۵۔ مضمون "مونسِ رسولؐ" از محمد شفیع خاں بلوچ)

جرش کے دو سفر

محمد احسان الحق سلیمانی لکھتے ہیں۔ "جرش کا سفر آپؐ نے تجارت کی غرض سے کیا"۔ (احسان الحق سلیمانی' محمد۔ رسولِ مبین صلی اللہ علیہ وسلم۔ مطبوعہ لاہور۔ ۱۹۹۳۔ ص ۲۳۵) شبلی نعمانی اسے "یمن میں" بتاتے ہیں۔ (شبلی نعمانی۔ سیرت النبیؐ۔ جلد اول۔ "حدود سفر") اور "سیر الصحابہ" میں اسے "یمن کا بازار" قرار دیا گیا ہے۔ (سیر الصحابہ۔ جلد دوم۔ مہاجرین حصہ اول۔ ص ۳۸) ڈاکٹر نور محمد غفاری نے معلومات شبلی سے' انہی کے حوالے سے لی ہیں اور "جرش (یمن)" لکھا ہے۔ (نبیؐ کریمؐ کی معاشی زندگی۔ ص ۸۲) مولانا مودودی جرش کو یمن کا ایک مشہور مقام لکھتے ہیں۔ (مودودی۔ ابوالاعلیٰ۔ سیرتِ سرورِ عالمؐ۔ جلد دوم۔ ص ۱۱۳)

شبلی نے حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کے دو مرتبہ سفرِ یمن یا سفر جرش کا ذکر "نور النبراس فی شرحِ ابن سید الناس" کے حوالے سے کیا ہے۔

لکھتے ہیں۔ "حضرت خدیجہؓ نے جہاں جہاں آپؐ کو تجارت کی غرض سے بھیجا تھا' ان میں جرش بھی ہے جو یمن میں ہے۔ حاکم نے مستدرک میں لکھا ہے اور علامہ ذہبیؒ نے بھی تصدیق کی ہے کہ جرش میں آپؐ دو دفعہ تشریف لے گئے"۔ (شبلی۔ سیرتُ النبیؐ۔ حصہ اول۔ "حدودِ سفر")

ڈاکٹر محمد حمید اللہ ابن سید الناس کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ بی بی خدیجہؓ نے آپ (صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم) کو دو مرتبہ جرش بھی سامان دے کر بھیجا۔ کہتے ہیں "اگر یہ جرش ہے تو وہ مکے کے جنوب میں طائف سے کچھ آگے یمن کے رخ ایک اہم قلعہ بند شہری مملکت تھی اور وہاں بڑا بازار لگتا تھا۔ اور اگر جرش ہے تو وہ شرقِ اردن میں ایک بڑا یونانی شہر تھا"۔ (حمید اللہ' ڈاکٹر محمد۔ رسولِ اکرمؐ کی سیاسی زندگی۔ ص ۶۱)

بحرین کا سفر

مُسندِ احمد بن حنبل میں ہے کہ نبوت کے جس سال آپؐ کی خدمت میں عرب کے دور دراز مقامات سے وفود آئے' ان میں جب بحرین سے عبدالقیس کا وفد آیا تو آپؐ نے بحرین کے ایک ایک مقام کا نام لے کر وہاں کا حال پوچھا۔ لوگوں نے تعجب سے پوچھا کہ آپؐ ہمارے ملک کا حال ہم سے زیادہ جانتے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا' میں نے تمہارے ملک کی خوب سیر کی ہے۔ (شبلی۔ سیرتُ النبیؐ۔ جلد اول۔ "حدودِ حرم") محمد احسان الحق سلیمانی نے شبلی کے حوالے سے یہ واقعہ درج کیا ہے۔ (رسولِ مبینؐ۔ ص ۲۳۶) ڈاکٹر نور محمد غفاری آخری فقرے کا ترجمہ یوں کرتے ہیں۔ "میں کافی عرصہ قبل تمہارے ملک میں رہ چکا ہوں یا اس کا سفر کر چکا ہوں"۔ (نبیؐ کریمؐ کی معاشی زندگی۔ ص ۸۳) شاہ معین الدین ندوی کہتے ہیں۔ "بحرین میں بھی آپؐ کا جانا ثابت

ہے"۔ (سیر الصحابہ۔ جلد دوم۔ مہاجرین حصہ اول۔ ص ۳۸) "سیرت الرسولؐ من القرآن"۔ "تاریخ محمد صلی اللہ علیہ و سلم" اور "محدث" کے رسولِ مقبولؐ نمبر حصہ اول میں بھی بحرین کے سفر کا ذکر موجود ہے۔

مارگولوس نے لکھا کہ حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ و سلم نے ڈیڈ سی (بحیرۂ مردار) کا بھی معائنہ کیا۔ اس پر سید سلیمان ندوی کہتے ہیں کہ "اگر بحرین تشریف لے جانے کی روایت صحیح ہے تو خلیج فارس آپؐ نے دیکھا ہو گا۔ بحرِ میت (بحیرۂ مردار) کا مشاہدہ بھی ممکن ہے کیونکہ اس کا موقع عرب و شام کے درمیان میں ہے جہاں سے آپؐ کئی بار تجارت کے ساتھ گزرے ہوں گے"۔ (شبلی۔ سیرتُ النبیؐ۔ جلد اول۔ "حدودِ سفر"۔ حاشیہ)

مولانا ابوالاعلیٰ مودودی کہتے ہیں۔ "یہ بات واضح رہنی چاہیے کہ اس زمانے میں بحرین عرب کے پورے مشرقی ساحل کا نام تھا' نہ کہ اس جزیرے کا جسے اب بحرین کہا جاتا ہے"۔ (مودودی' ابوالاعلیٰ۔ سیرتِ سرورِ عالمؐ۔ جلد دوم۔ ص ۱۱۳۔ حاشیہ)

حبشہ کا سفر

"سیرتِ حلبیہ" میں ہے کہ نجاشی کے نام حضور رسولِ کریم صلی اللہ علیہ و آلہٖ و سلم نے جو مکتوبِ گرامی تحریر فرمایا' جس میں حضرت جعفرِ طیارؓ کا تعارف کرایا تھا' اس کے مطالعے سے بھی اور نبوّت کے پانچویں سال حبشہ کی جانب مہاجرین کو رخصت کرتے ہوئے جو الفاظ سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمائے' ان سے بھی یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ حبشہ اور دربارِ حبشہ سے ذاتی واقفیت رکھتے تھے۔ (ماہنامہ "فاران" کراچی۔ سیرت نمبر۔ جنوری ۱۹۵۶۔ ص ۱۴۰) محمد احسان الحق سلیمانی' پروفیسر اختر راہی اور سید مہربان علی رضوی نے

بھی حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کے حبشہ کی طرف تجارتی سفر کا ذکر کیا ہے۔ (رسولِ مبین۔ ص ۲۳۵ / محدث۔ رسولِ مقبول نمبر۔ حصہ اول۔ ص ۱۳۰ / پندرہ روزہ "الایمان" لاہور۔ یکم ۱۵۔ اپریل ۱۹۷۸۔ ص ۱۹) ڈاکٹر محمد حمید اللہ بھی اسی کے قائل ہیں۔ (رسولِ اکرم کی سیاسی زندگی۔ ص ۶۳)

جعاشہ کا سفر

شبلی کہتے ہیں۔ عرب میں مختلف مقامات میں جو بازار قائم تھے' ان میں سے جعاشہ کا ذکر ابنِ سید الناس نے کیا ہے (شبلی۔ سیرت النبیؐ۔ جلد اول۔ "حدودِ سفر") ڈاکٹر نور محمد غفاری لکھتے ہیں "جعاشہ آپؐ کا تشریف لے جانا بھی مذکور ہے" (نبیؐ کریمؐ کی معاشی زندگی۔ ص ۸۴) محمد احسان الحق سلیمانی اسے تجارت کی غرض سے کیا گیا سفر نہیں مانتے۔ ان کا خیال ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم نے یہ سفر تبلیغِ دین کے سلسلے میں کیا تھا۔ (رسولِ مبینؐ۔ ص ۲۳۵)

نجد اور نبران کے سفر

عبدالقدوس ہاشمی کہتے ہیں کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا سے نکاح کے بعد دس سال تک خود بازار میں تجارتی لین دین کرتے ہوئے ملتے ہیں۔ اس زمانے میں آپؐ نے غالباً" تین سفر کیے۔ ایک یمن تک' دوسرا نفود (نجد) تک اور تیسرا نبران تک...... ان سفروں کے علاوہ موسم حج میں اچھا خاصا کاروبار ہوتا تھا۔ باقی دنوں میں مکہ کے بازار میں بھی کچھ نہ کچھ تھوک فروشی ہوا کرتی تھی' آپؐ اس میں حصہ لیتے تھے۔ (عبدالقدوس ہاشمی کا یہ مضمون پہلے فاران کے سیرت نمبر ۱۹۵۶ میں شائع ہوا۔ ص ۴۹) ہاشمی کا یہی مضمون بعد میں "خاتونِ پاکستان" کے رسولؐ نمبر حصہ

دوم میں چھپا (ص ۱۴۹)۔ یمن کا ذکر تو پہلے آ چکا ہے۔ اس کے بارے میں تو کئی سیرت نگاروں نے ذکر کیا ہے لیکن نفود (نجد) اور نجران کی طرف حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے تجارتی سفر کا ذکر اور کہیں نہیں ملتا۔

فلسطین اور عمان کے سفر

پروفیسر اختر راہی نے اپنے مضمون "رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی معاشی زندگی" میں لکھا ہے کہ "تجارت کے سلسلے میں نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے متعدد سفر کیے۔ فلسطین، شام، یمن، بحرین، عمان اور غالباً" حبشہ کا سفر بھی کیا تھا اور ان مقامات کی خوب سیر کی تھی۔ مدتوں بعد بھی ان علاقوں کے اہم شہروں کے نام، محل وقوع اور دیگر اہم تاریخی اور جغرافیائی معلومات آپؐ کے ذہن میں محفوظ تھیں"۔ (محدث۔ رسولِ مقبولؐ نمبر۔ حصہ اول۔ ص ۱۳۰، ۱۳۱) سید مہربان علی رضوی نے حضرت ابوطالبؓ کے حوالے سے لکھا کہ "آپ کا عزیز از جان بھتیجا بھی بغرضِ تجارت فلسطین، یمن اور عمان جیسے ممالک میں جا چکا تھا"۔ (الایمان۔ یکم و ۱۵۔ اپریل ۸-۱۹۷-۱۹) باڈلے نے بھی لکھا ہے کہ حضرت خدیجہؓ کے مالِ تجارت کے ساتھ میسرہ کی معیت میں سفرِ شام سے واپسی کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اور کئی جگہوں کے علاوہ بیت المقدس کا سفر بھی کیا۔ (باڈلے۔ الرسولؐ۔ اردو ترجمہ از ڈاکٹر ایم ایس ناز۔ ص ۸۹)

دبا کا سفر

دبا جزیرہ نمائے عرب کی دو اہم ترین بندرگاہوں میں سے ایک تھی۔ یہاں ہر سال ایک عالمی منڈی لگتی تھی جس میں شرکت کے لیے ایران، سندھ، ہندوستان، چین اور سمندر پار کے دیگر ممالک سے تاجر آیا کرتے تھے۔ جب

بحرین فتح ہوا تو حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ و سلم نے اس شہر کی تجارتی حیثیت کے پیش نظر یہاں ایک گورنر مقرر فرمایا جس کی ذمہ داریوں میں یہ بھی شامل تھا کہ وہ تاجروں کے ممکنہ تنازعات کا فیصلہ بھی کرے۔ (البغدادی' محمد بن حبیب۔ کتاب المجر۔ دائرہ معارف العثمانیہ۔ حیدر آباد دکن۔ ۱۹۴۲۔ ص ۲۶۵ / حمید اللہ' ڈاکٹر محمد۔ خطباتِ بہاولپور۔ مطبوعہ بہاولپور۔ ص ۲۶۶)

ڈاکٹر نور محمد غفاری لکھتے ہیں۔ "غالباً" آپ صلی اللہ علیہ و آلہٖ و سلم نکاح کے بعد حضرت خدیجۃ الکبریٰ کا سامانِ تجارت لے کر مشرقی عرب بھی گئے ہوں گے۔ غالباً" اس لیے کہ آپ صلی اللہ علیہ و سلم بحرین جا کر دبا کے بین الاقوامی تجارتی میلہ میں شرکت کر سکیں اور زیادہ نفع کما سکیں۔ گمان ہے کہ آپؐ نے وہیں چینی تاجروں سے ملاقات کی ہو گی"۔ (نبیؐ کریم صلی اللہ علیہ و سلم کی معاشی زندگی۔ ص ۸۳) ڈاکٹر محمد حمید اللہ بھی کہتے ہیں کہ مشقر اور دبا کے شہرۂ آفاق میلوں وغیرہ میں بھی آنحضرت (صلی اللہ علیہ و آلہٖ و سلم) شاید تجارتی کاروبار کے سلسلے میں گئے ہوں۔ (رسولِ اکرمؐ کی سیاسی زندگی۔ ص ۶۳) دبا کی بین الاقوامی تجارتی منڈی کا نام ڈاکٹر نور محمد غفاری نے دوسری جگہ "ربا" لکھا ہے۔ لکھتے ہیں۔ "ربا عرب کا اہم ترین تجارتی میلہ رجب کے اواخر میں لگتا تھا"۔ (نبیؐ کریمؐ کی معاشی زندگی۔ ص ۳۶)

میں پہلے کہہ چکی ہوں کہ سیرت نگار حضرات نے یہ بات تو پہلے سے طے کر رکھی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ و سلم کو مکہ' بلکہ عرب' بلکہ شاید دنیا کا غریب ترین آدمی ثابت کرنا ہے۔ اس لیے جہاں کوئی تجارتی سفر سامنے آتا ہے' وہاں بھی کسی جواز کے بغیر یہ لکھنا ضروری سمجھتے ہیں کہ یہ آپؐ کا اپنا مال تجارت نہ تھا' حضرت خدیجہؓ کا ہو گا یا کسی اور کا۔ یہاں بھی ڈاکٹر نور محمد غفاری نے حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ و سلم کو اپنے سامان کو ہاتھ نہیں لگانے دیا' حضرت

خدیجہؓ کا سامانِ تجارت دے کر "دبا" بھیجا ہے۔

مصر کا سفر

شبلی لکھتے ہیں کہ "موٗرخین یورپ نے جو علومِ غیبی کے منکر ہیں اور جو ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ (نعوذ باللہ) آپؐ کے تمام معارف و معلومات سیر و سفر سے ماخوذ ہیں، قیاسات کے ذریعہ سے اس دائرہ کو اور وسعت دی ہے۔ ایک موٗرخ نے لکھا ہے کہ آپؐ نے بحری سفر بھی کیا تھا۔...... موٗرخِ مذکور کا یہ بھی دعویٰ ہے کہ آپؐ مصر بھی تشریف لے گئے اور ڈیڈ سی (بحیرۂ مردار) کا بھی معائنہ کیا۔ لیکن تاریخی دفتران واقعات سے خالی ہیں"۔ (شبلی۔ سیرت النبیؐ۔ جلد اول۔ "حدودِ سفر") سید سلیمان ندوی نے حاشیے میں کہا کہ "یورپین موٗرخین جن کی بنیاد صرف قیاس و رائے پر ہوتی ہے، اگر اس قسم کے واقعات بیان کریں تو کوئی تعجب نہیں ہے لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کا مصر جانا درحقیقت یورپ کے عہدِ مظالم کی مضحکہ خیز روایت ہے۔ بحری سفر آپؐ نے یقیناً" نہیں کیا"۔ (ایضاً"۔ حاشیہ) ڈیڈ سی (بحرِ میت یا بحیرۂ مردار) کے بارے میں البتہ سید سلیمان ندوی نے تسلیم کیا ہے کہ اگر حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم بحرین تشریف لے گئے تھے تو آپؐ نے اسے ضرور ملاحظہ فرمایا ہو گا۔

ڈاکٹر محمد حمید اللہ لکھتے ہیں کہ قیاس کیا جاتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم نے غالباً" کبھی حبشہ کا سفر بھی کیا تھا۔ حبشہ جانے کا سہل راستہ تو وہی ہے جو مہاجرینِ اسلام نے اختیار کیا تھا کہ شعیبہ (جدّہ) میں جہاز پر سوار ہو کر بحرِ احمر کے دوسرے ساحل پر جا اتریں۔ دوسرا راستہ یہ تھا کہ ایلہ (عقبہ) اور جزیرہ نمائے سینا یا شاید غزہ سے ہو کر (جہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کے پردادا ہاشم مدفون بھی ہیں) مصر اور پھر وہاں سے دریائے نیل کے کنارے

کنارے حبشہ جائیں۔ دریا کے بہاؤ کی سہولت کے باعث حبشہ سے مصر کشتی میں آنا بھی ممکن ہے۔ اگر یہ قیاس و استنباط بے جا نہ سمجھا جائے تو آنحضرت (صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم) کے بحری سفر کا بھی اس طرح امکان پیدا ہو جاتا ہے۔ (رسولِ کریمؐ کی سیاسی زندگی۔ ص ۶۳' ۶۴)

حلب' انطاکیہ' بیروت' پامیریا اور بعلبک کے سفر

آر' وی' سی باڈلے "دی میسنجر" میں لکھتے ہیں کہ حضرت خدیجہؓ کی "ملازمت" میں آنے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم نے دو سال تک کئی ممالک و امصار کا سفر کیا۔ آپؐ تجارتی قافلے لے کر دمشق' حلب' انطاکیہ' بیت المقدس' بیروت' پامیریا اور بعلبک تک تشریف لے گئے۔ رفتہ رفتہ آپ کی ذمہ داریاں بڑھتی چلی گئیں۔ (باڈلے۔ الرسولؐ۔ ص ۸۹) دمشق اور بیت المقدس کے علاوہ دوسرے مقامات کا ذکر کسی دوسرے سیرت نگار نے نہیں کیا۔ اس لیے ممکن ہے' شبلی نعمانی اور سید سلیمان ندوی کے بقول' یہ یورپ کے ان مؤرخین کی اختراع ہی ہو۔

تجارتی میلوں میں شرکت

یعقوبی کہتے ہیں کہ عرب کے تجارتی میلے دس مقامات پر منعقد ہوتے تھے۔ ان میں دومتہ الجندل (یہ مقام شام' حجاز اور عراق کے مابین واقع ہے) مشقر (حضر موت) صحار (حضر موت) دبا' شحر' عدن' صنعا (یمن) ربیعہ (حضر موت) عکاظ (عرفات) ذوالمجاز' مجنہ' بصرہ وغیرہ مقامات پر میلے منعقد ہوتے تھے۔ (محمد حفظ الرحمان۔ اسلام کا اقتصادی نظام۔ مطبوعہ دہلی۔ ۱۹۵۹۔ ص ۲۵۴)

دومتہ الجندل کا تجارتی میلہ یکم ربیع الاول کو شروع ہوتا اور دو ہفتے

جاری رہتا تھا۔ مشقر (ملکِ بحرین کا مشہور قلعہ) کا میلہ جمادی الاول میں ہوتا۔ (سید شمس اللہ قادری جمادی الاخریٰ میں لکھتے ہیں۔ نقوش۔ رسولؐ نمبر۔ جلد ۳۔ ص ۷۶) صحار کی منڈی یکم سے ۱۵ رجب تک لگتی تھی۔ دبا کا تجارتی میلا رجب کے آخری دنوں میں لگتا تھا۔ شحر (مہرہ) کا وسطِ شعبان میں اور صنعا کا میلا رمضان کے آخری نصف میں منعقد ہوتا تھا۔ ربیعہ (یعقوبی نے اس کا نام الرابیہ لکھا ہے) (نقوش۔ رسولؐ نمبر۔ جلد ۳۔ ص ۷۶) عکاظ اور ذوالمجاز کے تجارتی میلے ذوالحجہ کے پہلے عشرے میں لگتے تھے۔ سید شمس اللہ قادری نے "صَباحۃ الطرب" مطبوعہ بیروت کے حوالے سے لکھا ہے کہ عکاظ کا بازار عرب کے تمام بازاروں سے بڑا اور مشہور تھا۔ اس کا افتتاح ذی قعدہ کی پہلی تاریخ کو ہوتا تھا اور کامل ایک ماہ بیس روز تک کھلا رہتا تھا۔ (سید شمس اللہ قادری نے "صَباحۃ الطرب" مطبوعہ بیروت کے حوالے سے لکھا ہے کہ عکاظ کا بازار عرب کے تمام بازاروں سے بڑا اور مشہور تھا۔ اس کا افتتاح ذی قعدہ کی پہلی تاریخ کو ہوتا تھا اور کامل ایک ماہ بیس روز تک کھلا رہتا تھا۔ نقوش۔ رسولؐ نمبر۔ جلد ۔ ص ۷۶) یمامہ یا خیبر کی تجارتی منڈی دس محرم کو لگتی تھی۔ (یُوسُف الدین، ڈاکٹر۔ اسلام کے معاشی نظریّے۔ ص ۷۴، ۷۵) حباشہ تہامہ میں ہے، مکے کے جنوب میں چھ دن کے راستے پر یہاں رجب میں تین دن کا میلا لگتا تھا۔ (رسولِ اکرمؐ کی سیاسی زندگی۔ ص ۶۱) سید شمس اللہ قادری ان کے علاوہ سُوقِ ہجر (ارضِ حمیر میں ۹ ربیع الثانی سے شروع ہوتا تھا) سوق عمان (جمادی الاولیٰ کے آخر ایام میں کھولا جاتا تھا) سوق حباشہ (مکہ سے یمن کو جائیں تو راستے میں بارق فتونا واقع ہے، وہاں یہ بازار ایک بار موسم حج میں اور دوسرا رجب میں ہوتا تھا) کا ذکر بھی کرتے ہیں۔ (نقوش۔ رسولؐ نمبر۔ جلد ۳۔ ص ۷۶)

"فتح الباری" میں ہے کہ اسلام سے پہلے عرب میں جو بازار قائم تھے،

مثلاً عکاظ' ذوالجنہ' ذوالمجاز' حباشہ' --- اسلام کے بعد بھی ان کی رونق تقریباً" ایک صدی تک قائم رہی۔ (فتح الباری۔ جلد ۳۔ ص ۴۷۳' ۴۷۴' ۴۷۴ بحوالہ سیرۃ الصحابہ۔ جلد پنجم از عبدالسلام ندوی۔ ص ۳۶۱' ۳۶۲)

ہمارے آقا حضور صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم ان تجارتی منڈیوں' یا میلوں یا بازاروں میں سے کہاں کہاں تشریف لے گئے' اس کی تفصیلات دستیاب نہیں ہیں۔ البتہ عکاظ اور ذوالمجاز کے تجارتی میلوں میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شمولیت کا ذکر ملتا ہے۔ ایک بار تو آپ (صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم) بچپن میں اپنے چچا حضرت ابوطالبؓ کے ساتھ ذوالمجاز گئے تھے' اس کا ذکر "حضرت ابوطالبؓ کے ساتھ تجارتی سفر" کے تحت کیا جا چکا ہے۔ (الوفا باحوالِ المصطفیٰ صلی اللہ علیہ و سلم۔ ص ۶۸ / سیرتِ دحلانیہ۔ ص ۲۶۴ / شہناز کوثر۔ حضور صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم کا بچپن۔ اختر کتاب گھر' لاہور۔ ص ۱۴۵)

یہ گمان کیسے کیا جا سکتا ہے کہ بچپن میں بھی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کسی میلے میں شرکت' میلا دیکھنے کے شوق میں فرمائیں۔ جبکہ یہ میلا تجارتی منڈی کی حیثیت رکھتا ہو اور چچا جو ساتھ جا رہے ہوں' وہ بھی تاجر ہوں اور حضور صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم کا تجارتی مال بھی اپنے انہی چچا جان کے پاس ہو۔ اس لیے اس امر میں کچھ شک نہیں کہ آقا حضور صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم کے یہ سفر بھی تجارتی سفر ہی کی حیثیت رکھتے تھے۔

ذوالمجاز کا دوسرا سفر جس کا ذکر ملتا ہے' اعلانِ نبوت کے بعد کا ہے۔ مُسندِ احمد اور معجم طبرانی میں' نیز اصابہ فی تمیز الصحابہ میں ہے کہ حضور نبیٔ کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم بازارِ عکاظ اور ذی المجاز میں لوگوں کو توحید کی تبلیغ فرماتے تھے اور آپؐ کا چچا ابولہب پیچھے پیچھے یہ کہتا پھرتا تھا کہ یہ شخص (نعوذ باللہ) بے دین اور جھوٹا ہے۔ (ادریس کاندھلوی' محمد۔ سیرتُ المصطفیٰ صلی اللہ علیہ و سلم۔

جلد اول۔ ص ۱۷۹/ کلیم ارائیں' محمد۔ سرورِ عالمؐ کے سفر مبارک۔ ص ۶' ۷)

ابن اثیر نے حضرت ربیعہؓ بن عباد کا روایت کردہ محولہ بالا واقعہ لکھا ہے لیکن لکھا ہے کہ یہ واقعہ عکاظ کے بازار میں پیش آیا۔ (اُسُد الغابہ فی معرفتِ الصحابہ۔ جلد سوم۔ ص ۲۳۵) طارق بن عبداللہ المحاربیؓ نے یہ واقعہ بازار ذی المجاز سے متعلق بیان کیا ہے۔ (ادریس کاندھلوی' محمد۔ سیرتُ المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم۔ جلد اول۔ ص ۲۰۳) ابنِ اسحاق نے کہا ہے کہ یُونُس نے یزید بن زیاد کی وساطت سے ابوالجعدی سے اور اس نے سامع بن شداد کے حوالے سے طارق بن عبداللہؓ کی یہ روایت نقل کی ہے۔ (نقوش۔ رسولؐ نمبر۔ جلد ۱۱۔ ص ۲۴۹۔ "سیرتِ ابنِ اسحاق") محمد کلیم ارائیں نے ان تجارتی منڈیوں کے اسفار کے متعلق لکھا ہے "سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے تبلیغی سفر مبارک جو آپؐ نے عکاظ' ذوالمجنہ' سُوقِ حباشہ اور ذوالمجاز کے سالانہ اجتماعات کے موقع پر طے کیے تھے' ان کی تفصیلات کوشش کے باوجود نہ مل سکیں"۔ (سرورِ عالمؐ کے سفر مبارک۔ ص ۶)

پہلے کہا جا چکا ہے کہ مشقر بحرین میں واقع تھا' یہاں جمادی الاولیٰ میں تجارتی منڈی لگتی تھی۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم مشقر کے شہرۂ آفاق میلے میں بھی تجارتی کاروبار کے سلسلے میں گئے ہوں گے۔ (رسولِ اکرمؐ کی سیاسی زندگی۔ ص ۶۳)

ڈاکٹر محمد حمید اللہ یہ بھی لکھتے ہیں کہ حباشہ کے مقام پر جو یمن کے رخ کاروانی راستے میں ایک مشہور مقام تھا' رجب میں تین دن کا میلا لگتا تھا۔ یہ فلسطین کے مقابلے میں قریب بھی تھا اور سہل الوصول بھی۔ حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم قریش کے ایک اور شخص کے ہمراہ بی بی خدیجہؓ کے کہنے پر تجارت کے لیے یہاں بھی گئے۔ (رسولِ اکرمؐ کی سیاسی زندگی۔ ص ۶۱)

کتابوں میں ہے کہ قس بن ساعدہ ایامِ جاہلیت میں لوگوں کو اپنے خطبات میں نبیٔ آخر الزمان (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کے تشریف لانے کی خوشخبری دیتے تھے اور کہا کرتے تھے کہ میں اس وقت تک زندہ رہا تو سب سے پہلے ان کی دعوت پر لبیک کہوں گے۔ جب بکر بن وائل کا وفد مدینۂ طیبہ آیا تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے قس بن ساعدہ کی نسبت دریافت فرمایا۔ معلوم ہوا کہ وہ فوت ہو چکے ہیں۔ اس پر سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ میں نے انھیں سرخ اونٹ پر ایسی حالت میں دیکھا کہ سُوقِ عکاظ میں وہ اپنی قوم کو خطاب کر رہے ہیں۔ (امیر الدین ' الحاج۔ سیرتِ طیبہ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مثالی زندگی۔ مطبوعہ ملتان۔ ص ۱۳۵)

اس کا مطلب یہ ہوا کہ آقا حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اعلانِ نبوت سے پہلے بھی عکاظ تشریف لے جاتے تھے۔ اور ظاہر ہے کہ میلا دیکھنے نہیں جاتے تھے۔ اس لیے یہ تسلیم کرنے کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ یہ تجارتی سفر تھے۔

ہم گزشتہ صفحات میں "حضرت زبیرؓ کے ساتھ تجارتی سفر" "حضرت ابوطالبؓ کے ساتھ تجارتی سفر" اور "دیگر تجارتی سفر" کے تحت ثابت کر چکے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ سفر تجارتی مقاصد کے لیے کیے تھے۔ یہ سفر دور دراز کے بھی تھے۔ اس لیے یہ کیسے ممکن ہے کہ قریب کی تجارتی منڈیوں میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم تشریف نہ لے جاتے ہوں اور وہاں تشریف لے جانے کا ایک مقصد تجارت نہ ہو۔ بچپن میں اور عالمِ شباب میں سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جو ایسے سفر کیے ہوں گے' ان کا مقصد کھیل تماشا دیکھنا تو ہو نہیں سکتا۔ جو سفر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اعلانِ نبوت کے بعد کیے' انھیں سیرت نگار تبلیغی سفر قرار دیتے ہیں' تجارتی سفر نہیں مانتے۔ لیکن

معاملہ یہ ہے کہ بیشتر سیرت نگار حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ و سلم کو غریب، عُسرت زدہ اور مفلوکُ الحال ثابت کرنے میں ایڑی چوٹی کا زور لگاتے نظر آتے ہیں، اس لیے وہ تجارتی سفر کیسے مانتے۔ جعاشہ کے سفر کا ذکر پہلے ہو چکا ہے کہ محمد احسان الحق سلیمانی اسے تجارتی نہیں، تبلیغی سفر قرار دیتے ہیں۔ (رسولِ مبینؐ۔ ص ۲۳۵)

میرے نزدیک حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ و سلم کا ہر تبلیغی سفر، تجارتی سفر بھی ہے کیونکہ ایک ایسا شخص جو عرب کے مشہور تاجر خاندان سے تعلق رکھتا ہو، اس کے باپ دادا تاجر ہوں، اس کا سرپرست چچا تاجر ہو، وہ خود تجارت ہی کرتا ہو، ——— وہ اگر کسی تجارتی منڈی میں جائے اور تجارت نہ کرے تو اس منڈی میں آئے ہوئے تمام تاجروں کی نظر میں اس کی ہیٹی ہو جائے گی، کوئی بھی اسے عزت کی نگاہ سے نہ دیکھے گا، پھر وہاں اس کا تبلیغ کرنا کیسے مؤثر ہو سکتا ہے۔ اور یہ بات ہم جیسے عام لوگ بھی سمجھتے ہیں، کیا حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم نہ جانتے ہوں گے۔ حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ و سلم ان تجارتی منڈیوں میں سامانِ تجارت لے جاتے ہوں گے، وہاں سامان فروخت فرماتے ہوں گے، سامان خرید فرماتے ہوں گے۔ اور اس کے بعد اس تجارتی منڈی کے ایک اہم تاجر کی حیثیت سے لوگوں کو اسلام کی تبلیغ کرتے ہوں گے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو تاجر بھی اور میلے ٹھیلے دیکھنے کے شوقین بھی کسی طرح حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ و سلم کو تبلیغ کرتے دیکھ کر برداشت نہ کرتے اور انھیں اس سے زیادہ نقصان پہنچانے کی کوشش کرتے، جتنا زخمی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو طائف والوں نے کیا تھا۔ لیکن حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ و سلم نے جس جس تجارتی میلے میں تبلیغ کی ہے، اس میں کسی نے آپ (صلی اللہ علیہ و آلہٖ و سلم) پر آوازہ تک نہیں کَسا، کوئی ایسی بات اشارتاً" بھی، کسی کتابِ سیرت میں نہیں ملتی۔ اس سے واضح ہوتا ہے

کہ حضور صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم کا ایسی تجارتی منڈیوں یا میلوں میں جلیلُ القدر تاجر ہونا ہی ان کی تبلیغ میں کسی کے رکاوٹ نہ بننے کا سبب بنا۔ اور یہ سفر حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ و سلم کے تجارتی سفر بھی تھے۔

(صرف ایک واقعہ ایسا ملتا ہے جس میں ابولہب حضور صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم کا پیچھا کرتا تھا اور آپؐ کو برا بھلا کہتا تھا لیکن اس میں بھی کوئی شخص ایسا نظر نہیں آتا جو ابولہب کا ساتھ دیتا ہو)

حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ و سلم نے ایک جدید بازار قائم کیا

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ و آلہٖ و سلم کی تجارت کے ساتھ وابستگی اور دلچسپی کا یہ عالم تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ و آلہٖ و سلم نہ صرف معروف تجارتی منڈیوں میں تجارتی مقاصد کے تحت تشریف لے جاتے تھے اور مال اسباب کی خرید و فروخت فرماتے تھے۔ بلکہ "فتوح البلدان" میں ہے کہ خود حضور رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ و سلم نے مدینۂ منورہ میں ایک جدید بازار قائم کیا جس میں کوئی تجارتی محصول نہیں لیا جاتا تھا۔ (فتوح البلدان۔ ص ۲۱ بحوالہ سِیَرُ الصحابہ۔ جلد پنجم۔ اسوۂ صحابہ۔ حصہ اول از عبد السلام ندوی۔ ص ۲۶۲)

طائف کا سفر

ہمارے آقا و مولا حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ و آلہٖ و سلم کا طائف کا سفر وہ واحد سفر ہے جس میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تبلیغ کے نتیجے میں کفارِ طائف نے آپؐ کو زخمی کیا اور تکلیفیں پہنچائیں۔ کیا یہ کہا جا سکے گا کہ یہ سفر محض تبلیغی تھا' اس کا تجارت کے ساتھ کوئی تعلق نہیں تھا۔ اس کا تجزیہ کر لیتے

ہیں۔

عام طور پر ہمارے محترم سیرت نگار حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کے سفر طائف کا ذکر یوں کرتے ہیں کہ آپؐ وہاں تشریف لے گئے' توحید کی تبلیغ کی' وہاں کے کفار نے حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کو اذیتیں دیں اور آپ واپس تشریف لے آئے۔ سید ابوالحسن علی ندوی لکھتے ہیں۔ "جب رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم طائف تشریف لائے تو سب سے پہلے ثقیف کے سرداروں اور ذمہ دار لوگوں سے ملنے تشریف لے گئے' اور ان کے پاس بیٹھ کر اُن کو دینِ حق کی دعوت دی' لیکن آپؐ کو بہت برا اور سخت جواب ملا۔ انہوں نے آپؐ کا مذاق بھی اڑایا اور شہر کے اوباش لوگوں اور غلاموں کو آپؐ کے ستانے پر مامور کر دیا۔ یہ لوگ آپؐ کو گالیاں دیتے' شور مچاتے اور آپؐ پر پتھر پھینکتے۔ انہوں نے راستہ کے دونوں طرف اپنے آدمی کھڑے کر دیے۔ آپؐ ایک قدم بھی اٹھاتے تو کسی طرف سے پتھر آپؐ پر پھینکا جاتا حتیٰ کہ آپؐ کے دونوں پیر زخموں سے لہولہان ہو گئے"۔ (ابوالحسن علی ندوی' سید۔ نبیُ رحمتؐ۔ ص ۱۴۵)

محمد حسین ہیکل لکھتے ہیں۔ "طائف میں تبلیغ کے لیے تشریف لائے اور شہر کے سب سے زیادہ مقتدر قبیلہ میں جا کر اسلام کی دعوت پیش کی۔ لیکن ان لوگوں کا ستارہ ابھی گہن میں تھا' انہوں نے سننے سے انکار کر دیا۔ طائفیوں نے آنحضرت (صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم) پر شہر کے غُنڈوں کو اُبھار دیا۔ جنھوں نے اول فول بکنے کے ساتھ دل کھول کر سنگ باری کے جوہر دکھائے"۔ (محمد حسین ہیکل۔ حیاتِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔ ترجمہ از ابو یحییٰ امام خاں نوشہروی۔ ص ۲۲۰)

حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ آقا حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم نے طائف آتے ہی بنو ثقیف کے سرداروں کو تبلیغ نہیں کی۔ مُلّا معین واعظ کاشفی

کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم طائف میں دس روز رہے۔ (معین واعظ کاشفی' ملا۔ معارج النبوت۔ جلد دوم۔ ص ۳۲۹) شیخ عبدالحق محدث دہلوی تحریر فرماتے ہیں "مواہب میں ہے' طائف میں دس دن رہے' روضۃ الاحباب میں ہے' ایک ماہ رہے"۔ (عبدالحق محدث دہلوی' شیخ۔ مدارج النبوت۔ جلد دوم۔ ص ۸۱) میں نے امام قسطلانی کی "مواہب اللدنیہ" کا ترجمہ دیکھا تو اس میں ہے "آنحضرت صلعم (صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم) نے طائف میں ایک مہینہ اقامت کی"۔ (قسطلانی' امام۔ سیرتِ محمدیہؐ ترجمہ مواہب اللدنیہ از عبدالجبار آصفی نظامی۔ ص ۲۵۱) خود شیخ نے بھی لکھا ہے "ایک ماہ ثقیف میں رہے"۔ (مدارج النبوت۔ جلد دوم۔ ص ۸۰)

ابوالحسن علی ندوی طائف کے بارے میں لکھتے ہیں۔ "طائف کا شہر اپنی اہمیت' آبادی کے پھیلاؤ اور خوش حالی و فارغ البالی میں مکہ کے بعد دوسرے نمبر پر تھا.... اہلِ طائف جائیداد اور زمینوں کے مالک تھے۔ ان کے پاس بڑے بڑے باغات اور مزرعے تھے"۔ (نبیؐ رحمتؐ۔ ص ۱۴۴) طبری کہتے ہیں' مکہ کے تاجر چمڑا' کھالیں اور طائف کا منقیٰ برآمد کیا کرتے تھے۔ (نبیؐ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی معاشی زندگی۔ ص ۲۵) ڈاکٹر نور محمد غفاری کے بقول طائف کا مشہور قبیلہ ثقیف جو تجارتی بازاروں میں اپنی شہرت رکھتا تھا' وہ بھی دوسرے قبائل بلکہ حکومت وقت سے تجارتی قرضے لیتا اور ان پر تجارتی سُود دیتا تھا۔ (ایضاً" ص ۳۹) "اردو دائرۂ معارفِ اسلامیہ" میں ہے کہ طائف کا شہر چرم سازی کے لیے مشہور تھا۔ (اردو دائرۂ معارفِ اسلامیہ۔ جلد ۱۲۔ مقالہ "طائف") طائف میں سنار بھی آباد تھے۔ (نبیؐ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی معاشی زندگی۔ ص ۵۲)

اہلِ مکہ کے ساتھ طائف والوں کے تجارتی روابط اب تک قائم ہیں۔

مولانا محمد ابراہیم سیالکوٹی ۱۳۲۱ھ میں حج کو گئے تو ۹۸ روز مکہ شریف میں رہے۔ لکھتے ہیں: "اس عرصہ میں دیکھتا رہا کہ مکہ شریف میں طائف کے تازہ پھلوں اور سبزیوں کی تانت بندھی رہتی ہے جو اونٹوں پر لدے ہوئے ہر روز تازہ آتے رہتے ہیں"۔ (ابراہیم سیالکوٹی۔ سیرتُ المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم۔ جلد دُوُم۔ ص ۳۲۸۔ حاشیہ)

حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم' ان کے خاندان کے لوگ اور قبیلہ بنو ہاشم کے کفار و مسلمان' سب' شِعَب ابی طالب میں تین سال محصور رہے۔ اس دوران میں کفار کے معاشرتی مقاطعے کی وجہ سے تجارت نہ ہو سکی تھی اور جمع پونجی سب محصورین کی گزران پر خرچ ہوتی رہی' اس لیے آقا حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم نے جلد بعد طائف کا رخ کیا۔ طائف ایک تجارتی شہر تھا' ان کے اہلِ مکہ کے ساتھ تجارتی روابط تھے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام وہاں ایک ماہ رہے اور حسبِ روایت تجارتی معاہدے کرتے رہے یا خرید و فروخت میں مصروف رہے۔ کیونکہ ایک ماہ کے وہاں کے قیام کا اور کوئی جواز نہیں۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ ایک ماہ تک حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کی تبلیغ سے تو کفارِ طائف سیخ پا نہ ہوئے ہوں اور ایک مہینے کے بعد انھیں غصہ آگیا ہو۔ یہ بھی ممکن نہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ایک ماہ تک ان کی دعوتیں اڑاتے رہے ہوں اور پھر انھوں نے تبلیغ شروع کی ہو۔ امکان یہی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم نے ایک ماہ تک اہلِ طائف کے ساتھ تجارتی روابط رکھے اور دوسرے مقامات کی طرح یہاں بھی اس کام سے فارغ ہو کر جب تبلیغ شروع کی تو کفار کا جوش جہالت رنگ لایا اور حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کو زخمی تک کر دیا گیا۔

تجارت پیشہ لوگوں میں عزت پانے کا سبب

شروع میں ذکر کیا جا چکا ہے کہ قریش تجارت پیشہ تھے۔ "خاندانِ قریش کے جدِ امجد قصیٰ نے تجارت کو دور دراز تک پھیلایا۔ قیصرِ روم اور شاہ نجاشی سے قصیٰ کے تجارتی روابط تھے۔ یمن اور بازنطینی سلطنت کے زیرِ اثر علاقوں میں بے روک ٹوک تجارت کی غرض سے ان بادشاہوں سے پروانے حاصل کیے۔ ابن حبیب کی روایت کے مطابق قصیٰ کے چار بیٹے تھے اور ان میں سے تین تجارتی سفروں میں فوت ہوئے"۔ ("محدث" لاہور۔ رسولِ مقبولؐ نمبر۔ حصہ اول۔ ص ۱۲۸، ۱۲۹۔ مضمون "رسولِ مقبولؐ کی معاشی زندگی" از اختر راہی)

مکہ کی زمین اگرچہ پیداوار کے قابل نہیں تھی مگر تجارتی کاروبار کے لیے نہایت موزوں تھی۔ یہاں مشرق و مغرب کے ڈانڈے ملتے تھے۔ ایران و عراق، یمن، شام اور افریقہ کے تجارتی تعلقات کی درمیانی کڑی یہی شہر تھا۔ قریش اس قدرتی نعمت کو پہچانتے تھے اور جہاں تک ان کی گنجائش تھی، وہ اس سے فائدہ اٹھاتے تھے .... گرمیوں میں مکہ والوں کے تجارتی قافلے شام اور انقرہ جاتے تھے۔ جہاں اس زمانہ میں ٹھنڈ ہوتی تھی۔ خوشگوار موسم، صحت بخش آب و ہوا کا لطف بھی اٹھاتے اور تجارت بھی کرتے۔ اور سردیوں میں یہ قافلے حبشہ اور یمن میں جاتے تھے۔ عرب میں قریش کی عظمت کا ایک بڑا سبب یہ تجارتی اقتدار بھی تھا۔ (محمد میاں، سید۔ سیرتِ مبارکہ محمدؐ رسول اللہ قرآن اور تاریخ کے آئینے میں۔ ص ۱۸۶)

تجارت ہمیشہ سے معاشرے کا باعزت پیشہ رہا ہے۔ تجارت پیشہ لوگ اسی شخص کو عزت و تکریم کا مستحق سمجھ سکتے ہیں جو تجارت ہی سے وابستہ ہو۔ پھر اگر وہ شخص تاجر باپ دادا کی اولاد ہو اور خود تجارت نہ کرتا ہو تو کسی طرح

تُجار کی نظروں میں عزت و توقیر کا مستحق نہیں ٹھہرتا۔ جس طرح ہمارے محترم سیرت نگار حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ و سلم سے مزدوری کراتے ہیں' اجرت پر بکریاں چَرواتے ہیں' اور انھیں غریب اور بے زر و مال ثابت کرنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگاتے ہیں' اگر واقعی وہ سچے ہوں تو مکہ کے تجارت پیشہ قریش حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر اس حیثیت سے ترس تو کھا سکتے تھے کہ تاجر آبا و اجداد کی اولاد غریب ہو گئی ہے' ان کی تکریم کبھی نہ کرتے۔

پھر آقا حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ و سلم کو مکہ کے تجارت پیشہ قریش کا صادق اور امین کہنا اس کے سوا اور کوئی معنی ہی نہیں رکھتا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام تجارت میں صداقت کے علمبردار تھے اور کسی سودے میں' لین دین کے کسی معاملے میں' خرید و فروخت کے کسی موقع پر سچ بولنے سے نہ ہچکچاتے تھے۔ ان تُجّار قریش کا حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ و سلم کو امین کے لقب سے پکارنا بھی اسی حقیقت پر دلالت کرتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ و سلم تجارت میں نامور تھے۔ پھر کبھی کوئی امیر کسی غریب کے پاس امانتیں نہیں رکھوا سکتا۔ "صادق اور امین" کے عنوان کے تحت اس موضوع پر تفصیلی گفتگو ہو گی۔ فی الحال یہ کہنا مطلوب ہے کہ تجارت پیشہ لوگوں کی نظروں میں وہ آدمی کسی طرح عزت نہیں پا سکتا جس کے آبا و اجداد تاجر اور متمول لوگ ہوں اور وہ خود عسرت زدہ بھی ہو اور تجارت کے بجائے مزدوری پر گزارا کرتا ہو۔

پھر' آقا حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ و سلم کے بیشتر رفقا' بیشتر صحابہ بھی تجارت کے پیشے کو اپنائے ہوئے تھے' اسلام لانے سے پہلے بھی اور بعد میں بھی۔ حضرت عمر فاروقِ اعظمؓ' حضرت عثمان ابنِ عفانؓ اور حضرت عبدالرحمان بن عوفؓ کی تجارت کا ذکر صحیح بخاری میں ہے۔ (بخاری۔ کتاب البیوع۔ باب الخروج فی التجارہ۔ باب کسب الرجل و عملہ بیدہ۔ باب قول اللہ تبارک و تعالیٰ فاذ

اقصیت الصلوٰۃ) حضرت ابوبکر صدیقؓ کی تجارت کا ذکر ابنِ ماجہ نے کیا ہے۔ (سُنَنِ ابنِ ماجہ۔ کتاب الادب۔ باب المزاج) حضرت عمرؓ کی تجارت کا حوالہ ابوداؤد میں ملتا ہے (سُنَنِ ابوداؤد۔ کتاب الجہاد۔ باب الا تبکار فی السفر) حضرت ربیعہؓ بن حارث کے ذکر میں ان کی تجارت کے بارے میں ابنِ اثیر نے لکھا ہے۔ (اُسُد الغابہ فی معرفت الصحابہ۔ جلد ۳ ۔ ص ۲۳۴) حضرت عطاردؓ تیمی کی بیرون ملک تجارت کا تذکرہ امام مسلم نے کیا ہے۔ (صحیح مسلم۔ کتاب اللباس) مشہور مؤلف مولانا عبدالسلام ندوی لکھتے ہیں کہ ''صحابۂ کرام (رضی اللہ عنھم) کا تجارتی ذوق اس قدر ترقی کر گیا تھا کہ وہ اس کے سوا کوئی دوسرا ذریعۂ معاش پسند ہی نہیں کر سکتے تھے''۔ (سیر الصحابہ۔ جلد پنجم۔ اسوۂ صحابہ۔ حصہ اول۔ ص ۲۲۳)

حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کے قبیلے کے لوگ تجارت پیشہ تھے' آقا حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کے دوست احباب' رفقا اور صحابہ بھی تجارت کو پسند فرماتے تھے اور یہی ذریعۂ معاش اختیار کیے ہوئے تھے۔ اور سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام ان سب کی نظروں میں' اعلانِ نبوت سے پہلے بھی اور بعد میں بھی' معزز و محترم تھے اور رہے۔ خود حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم نے تجارت کی تحسین فرمائی ہے اور لوگوں کو اس پر اکسایا ہے۔ یہ سب حقائق متوجہ کرتے ہیں کہ سرکار صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم زندگی بھر تجارت میں کسی نہ کسی طرح مصروف رہے اور ان کی معاشی زندگی کا انحصار کبھی مزدوری پر یا زوجۂ محترمہ کے مال پر یا مسجدِ نبوی (صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم) میں آنے والے ہدایا پر نہیں تھا۔ اللہ کریم ہمیں حقائق کو سمجھنے کی توفیق دے اور حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کے مقام سے کمتر بے بنیاد باتیں کرنے یا سننے سے محفوظ رکھے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کامیاب تاجر تھے

سیرت کی کتابوں میں عام طور پر حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کی تجارت کے نام پر میسرہ کے ساتھ سفرِ شام کے ذکر پر اکتفا کیا جاتا ہے۔ جو سفر آپ (صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم) نے حضرت ابوطالبؓ کے ساتھ کیا تھا' اس میں تو بحیرا راہب کے مشورے کے بعد واپسی ہو جاتی ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی لکھا جاتا ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے لیے تجارت کا شغل اختیار فرمایا۔ پروفیسر خالد علوی کہتے ہیں۔ "تاریخ و سیرت کی کتابوں میں آپ (صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم) کی معاشی زندگی پر بہت کم مواد ملتا ہے تاہم جو ارشادات ملتے ہیں' ان سے پتا چلتا ہے کہ آپؐ نے زمانہ قبل از نبوت میں شغل تجارت اختیار فرمایا۔ حضرت خدیجہؓ نے جب آپؐ کو اپنا مال' تجارت کے لیے دیا' اس وقت تک آپ بحیثیتِ تاجر اپنی شخصیت کو منوا چکے تھے"۔ (روض الانف' طبقاتِ ابنِ سعد اور مواہب اللدنیہ بحوالہ سہ ماہی "اسلامی تعلیم" لاہور۔ جنوری فروری ۱۹۷۳۔ ص ۳۹'۴۰)

اعلانِ نبوت کے بعد کے ذکر میں کہتے ہیں۔ "قبل از نبوت کی معاشی جدّوجُہد کا کچھ سراغ ملتا ہے لیکن بعد از نبوت کی معاشی سرگرمیوں کا کچھ زیادہ پتا نہیں چلتا۔ اعلانِ نبوت کے بعد دراصل آپؐ کی حیثیت ہمہ وقتی کارکن کی تھی ..... اس ہمہ وقتی کام کے باعث ابتدائی برسوں میں وہ پونجی کام آتی رہی جو آپؐ نے بذریعہ تجارت اکٹھی کی تھی یا حضرت خدیجہؓ کی ملکیت تھی"۔ (اسلامی تعلیم۔ جنوری فروری ۱۹۷۳۔ ص ۴۱)

جمع پونجی کے استعمال کی بات تو سمجھ میں آتی ہے لیکن حضرت خدیجہؓ کے مال کو حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کا استعمال کرنا سمجھ میں نہیں آتا۔ سیرت کی کتابوں میں عموماً" یہی کہا جاتا ہے یا تأثر دیا جاتا ہے کہ جب یہ شادی

ہوئی، حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی معاشی پریشانیاں ختم ہو گئیں۔ اس موضوع پر تفصیلی گفتگو آگے آئے گی۔

خالد علوی اپنے ایک مضمون میں لکھتے ہیں کہ "آپ (صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم) کو قبل از نبوت فکرِ معاش ہوئی تو آپؐ نے شغلِ تجارت اختیار فرمایا۔ متعدد تجارتی سفر کیے۔۔۔۔۔ آپؐ نے بطورِ تاجر اندرون ملک اور بیرون ملک کام کیا، شراکت بھی کی اور مختلف لوگوں سے کاروباری معاملات بھی کیے"۔ (ماہنامہ "فکر و نظر" اسلام آباد۔ مارچ ۱۹۸۴۔ ص ۷)

ڈاکٹر صاحبزادہ ساجد الرحمان "سیرتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم" میں کہتے ہیں۔ "اکلِ حلال اسلامی تعلیمات کا خاصہ ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم نے اپنی تعلیمات عالیہ میں حلال روزی کمانے پر شدت سے زور دیا۔ چنانچہ آپؐ نے بعثت سے بہت پہلے اپنے لیے تجارت کو ذریعہ روزگار بنایا"۔ (ساجد الرحمان۔ سیرتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم۔ ص ۱۲، ۱۳) سوامی لکشمن پرشاد کا کہنا ہے۔ "تجارت آپؐ کا محبوب پیشہ تھا۔ اوائلِ عمر سے آپؐ کو اسی پیشہ سے سابقہ پڑا تھا"۔ (لکشمن پرشاد، سوامی۔ عرب کا چاند۔ ص ۱۰۰)

سید جمال حسینی کی "روضۃ الاحباب" میں جہاں نزولِ وحی کا ذکر ہے، وہاں دوسرے سیرت نگاروں کی طرح انھوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ حضرت خدیجہؓ نے حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کی تعریف میں فرمایا کہ آپ صلۂ رحمی فرماتے ہیں، عیال کا بوجھ اٹھاتے ہیں، کمائی کرتے ہیں، مہمان نوازی فرماتے ہیں اور مصیبت زدوں کی امداد کرتے ہیں۔ مفتی عزیز الرحمان نے کتاب کے اردو ترجمے کے حاشیے میں لکھا ہے کہ "یہ تفاصیل بخاری، مسلم اور تفسیرِ ابنِ کثیر میں موجود ہیں۔ حدیث میں ہے کہ کما کر کھلاتے ہیں۔۔ الخ۔ معلوم ہوا کہ کسبِ معاش کے ذریعہ پرورش عیال، غربا پروری، مہمان نوازی کرنا انتہائی اعلیٰ وصف ہے" (عزیز

الرحمان، مفتی۔ رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم۔ کتاب "روضۃ الاحباب" از سید جمال حسینی کا اردو ترجمہ ہے۔ ص ۳۹)

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام تجارت کرتے تھے، اس ذریعے سے کما کر اہل و عیال کو پالنے کے علاوہ، غریب پروری، مہمان نوازی، صلۂ رحمی اور مصیبت زدوں کی امداد فرماتے تھے۔ اور یہ حقیقت اُمّ المؤمنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا اس موقع پر ظاہر فرما رہی ہیں، جب زیادہ تر سیرت نگاروں کے بقول حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی معاشیات کا انحصار حضرت خدیجہؓ کی دولت پر تھا۔ اس طرح پھیلائی جانے والی اس اہم غلط فہمی کا ازالہ بھی ہو جاتا ہے اور ثابت ہوتا ہے کہ اس وقت تک حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم خود کماتے تھے اور بہت سی مدّات پر خرچ فرماتے تھے۔ اس پر مزید بحث آیندہ ہوگی اور یہ بھی ثابت کیا جائے گا کہ "ہمہ وقتی کارکن" کی حیثیت سے کام کرنے والے سرکار صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اعلانِ نبوت کے بعد، اور مدینۂ طیبہ میں قائم ہونے والی مملکت کے سربراہ ہوتے ہوئے بھی اپنے پیشہ تجارت کو نہیں چھوڑا، اور یہ تاثر غلط ہے کہ مولویوں اور پیروں کی طرح حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اپنے عقیدت مندوں کی جیبیں ہلکی کر کے اور محلہ داروں کی روٹیاں کھا کر گزران کرتے تھے۔

آر، وی، سی باڈلے لکھتے ہیں۔ "تجارت میں دیگر تاجروں کے علاوہ اپنے چچا کی نمایندگی کرنے اور ان کا کام سنبھالنے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو زیادہ مدت انتظار کی زحمت گوارا نہیں کرنی پڑی بلکہ پچیس سال سے بھی کم عمر کے تھے کہ آپؐ کا شمار مغربی عرب کے سرگرم عمل اور مستعدِ کار تاجروں میں ہونے لگا۔ اس وقت تک آپ کی محنت و دیانت کی شہرت پھیل چکی تھی"۔ (باڈلے۔ آر، وی، سی۔ الرسولؐ۔ اردو ترجمہ از ڈاکٹر ایم ایس ناز۔

ص ۸۰)

ڈاکٹر نصیر احمد ناصر لکھتے ہیں۔ "آپ (صلی اللہ علیہ و آلہٖ و سلم) نے حضرت ابو طالبؓ کے ساتھ سفرِ شام کے بعد پچیس برس تک معاشی زندگی کیسے گزری؟ آپؐ نے پھر بیرونِ ملک سفر کیے یا نہیں؟ تاریخ سے ان سوالوں کا مفصل و قطعی جواب نہیں ملتا۔ البتہ مختلف ذرائع سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ آپؐ نے اپنے چچا کے ساتھ ایک سے زائد بار تجارتی سفر کیے تھے اور مکے میں آپؐ اکیلے یا چچا کے ساتھ کاروبار کرتے تھے۔ علاوہ بریں' آپؐ اپنا مالِ تجارت دساور کو جانے والے کاروانِ تجارت کے سپرد بھی کر دیا کرتے تھے۔ احادیث و آثار سے اس بات کا سراغ بھی ملتا ہے کہ آپؐ لوگوں کا تجارتی مال بھی دساور لے جایا کرتے تھے"۔ (نصیر احمد ناصر' ڈاکٹر۔ پیغمبرِ اعظم و آخرؐ۔ ص ۲۱۱)

سید سلیمان ندوی "رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ و سلم" میں لکھتے ہیں کہ قریش کے شریفوں کا سب سے باعزت پیشہ سوداگری اور تجارت تھا۔ جب ہمارے رسول (صلی اللہ علیہ و آلہٖ و سلم) کاروبار سنبھالنے کے لائق ہوئے تو اسی پیشہ کو اختیار فرمایا۔ آپؐ کی نیکی' سچائی اور اچھے برتاؤ کی شہرت تھی' اس لیے اس پیشہ میں کامیابی کی راہ آپؐ کے لیے بہت جلد کھل گئی۔ (سلیمان ندوی' سید۔ رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ و سلم۔ مطبوعہ کراچی۔ ص ۱۸) خالد وحید میمنی کہتے ہیں۔ "حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم کی پوری زندگی شاہد ہے کہ آپؐ نے کبھی دنیا سے نفرت نہیں فرمائی اور مال و دولت پیدا کرنے میں کبھی تساہل نہیں برتا۔ نبوت سے پہلے آپؐ تجارت فرمایا کرتے تھے اور بہت فارغ البالی کی زندگی بسر فرماتے تھے"۔ (ماہنامہ "خاتونِ پاکستان کراچی۔ رسولؐ نمبر۔ اگست ۱۹۶۳۔ مضمون "رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ و سلم کی معاشی زندگی" از خالد

وحید میمنی)

سید فضل الرحمان بھی حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کی کاروباری زندگی کے بارے میں لکھتے ہیں کہ آپ (صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم) کے چچا ابو طالبؓ بھی تجارت کرتے تھے۔ آپؐ نے بھی بچپن میں ان کے ساتھ تجارتی سفر کیے تھے۔ جس سے آپؐ کو خرید و فروخت میں خاصا تجربہ حاصل ہو گیا تھا۔ اور آپؐ کے حسنِ معاملہ کی شہرت بھی عام ہو چکی تھی۔ چنانچہ بڑے ہو کر آپؐ نے حصولِ معاش کے لیے اسی خاندانی پیشے کو اپنایا۔ (فضل الرحمان، سید ہادیؐ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم۔ مطبوعہ کراچی۔ ۱۹۹۱۔ ص ۹۲، ۹۳)

معلوم ہوا، کسی نہ کسی صورت میں اب لوگ یہ ماننے لگے ہیں کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے تجارت کی، تجارت میں نام کمایا، تجارتی سفر کیے۔ شروع ہی سے آقا حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کو کما کر کھانے اور گھر والوں کے علاوہ غریبوں، مصیبت زدوں کی مدد کرنے اور مہمان نوازی کرنے کی عادت پڑ گئی تھی، اس لیے حضرت خدیجہؓ سے نکاح کے بعد ان کی رقم پر یا مملکتِ اسلامیہ کے قیام کے بعد بیت المال یا ہدایا پر انحصار کرنا آپؐ کے لیے ممکن نہ تھا۔ جو لوگ یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں ان کی سوچ کا انداز مناسب نہیں ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کے شریکِ تجارت افراد

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے بطورِ تاجر اندرونِ ملک اور بیرونِ ملک کام کیا، شراکت بھی کی اور مختلف لوگوں سے کاروباری معاملات بھی کیے۔ (ماہنامہ "فکر و نظر" اسلام آباد۔ مارچ ۱۹۸۴۔ ص ۷ مضمون "رسولِ اکرمؐ کی معاشی تعلیمات پر ایک نظر" از خالد علوی) پروفیسر اختر راہی نے کاروبار میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صداقت اور امانت کی شہرت کے حوالے سے

لکھا ہے کہ اس وجہ سے بہت سے لوگ آپؐ کو اپنا شریکِ تجارت بنانے کی خواہش کا اظہار کرنے لگے۔ (ماہنامہ "محدث" لاہور۔ رسولِ مقبول نمبر۔ حصہ اول۔ ص ۱۳۱۔ مضمون "رسولِ مقبولؐ کی معاشی زندگی۔ از اختر راہی")

ڈاکٹر صاحبزادہ ساجد الرحمان بھی کہتے ہیں۔ "جب اس نوجوان نے معاشی میدان میں قدم رکھا تو عرب کے ہر سردار کی یہ خواہش تھی کہ یہ نوجوان اس کا شریکِ معاملہ ہو جائے"۔ (ساجد الرحمان۔ سیرتِ رسولؐ۔ ص ۴۹) ضیاء الدین کرمانی اپنی انگریزی کتاب "ابدی پیغام کے آخری پیغامبر" میں لکھتے ہیں۔ "رسولِ اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو تجارت میں آپؐ کے چچا زبیر اور مکے کے دوسرے خاندانوں سے تعلق رکھنے والے بعض دوستوں نے لگایا اور جلد ہی آپؐ تجارتی حلقوں میں معروف ہو گئے۔ یہ بات یقینی ہے کہ آپؐ نے دلالی نہیں بلکہ شراکت کی بنیاد پر کام شروع کیا"۔ (ماہنامہ "فیض الاسلام" راولپنڈی۔ ستمبر ۱۹۹۳۔ ص ۲۵۔ ضیاء الدین کرمانی کی انگریزی کتاب کے اردو ترجمہ از اختر ہاشمی کا اقتباس)

علامہ شبلی نعمانی کہتے ہیں۔ "آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے شرکائے تجارت کی شہادتوں سے، جو احادیث اور تاریخ کی کتابوں میں مذکور ہیں، ظاہر ہوتا ہے کہ آپؐ کس دیانت اور راست بازی کے ساتھ اس کام کو انجام دیتے تھے"۔ (شبلی۔ سیرت النبیؐ۔ جلد اول۔ باب ظہورِ قدسی۔ "شغلِ تجارت")

حقیقت یہی ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پدرِ عالی وقار حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کے تجارتی اثاثہ جات سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا نے تجارت میں لگائے رکھے۔ پھر حضرت عبدالمطلبؓ کی نگرانی میں یہ کام جاری رہا۔ ان کے بعد حضرت ابوطالبؓ نے یہ مال اپنی سرپرستی اور نگرانی میں تجارت میں لگائے رکھا۔ جب موقع ملا، انہوں نے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو

مقامی طور پر بھی اور تجارتی اسفار میں بھی کاروبار میں شامل رکھا۔ حضرت زبیرؓ بن عبدالمطلبؓ کے ساتھ تجارتی سفروں کا بھی ذکر ملتا ہے۔ جب آپ (صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم) جوان ہو گئے تو آپؐ نے اپنا کاروبار تجارت نہ صرف پوری طرح سنبھالا' بلکہ اس میں اپنی خصوصیات کو منوایا' صادق اور امین کہلائے اور مکہ کے تجارت پیشہ افراد اس خواہش کا اظہار کرنے لگے کہ آپؐ کے ساتھ مل کر تجارت کریں۔

شریکِ تجارت سے مراد یہ بھی ہے کہ کسی ملکی یا غیر ملکی تجارت میں مشترکہ سرمایہ کاری کی جائے لیکن عرب کے عام تجارتی طریقے کے مطابق حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کے ساتھ شریکِ تجارت افراد کی حیثیت یہ ہوتی تھی کہ ان میں سے جو شخص کوئی تجارتی سفر کرتا' وہ حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کا سامان تجارت بھی لے جاتا تھا اور وہاں سے آپؐ کی ہدایات کے مطابق سامان خرید کر لے آتا تھا۔ اسی طرح جب سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام تجارت کے لیے کہیں تشریف لے جاتے تو دوسروں کا سامان تجارت ساتھ لے جاتے اور وہاں سے ان کے لیے مناسب سامان خرید فرماتے۔ معلوم ہوتا ہے' اس سلسلے میں حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم سے زیادہ دوسرے شریکِ تجارت افراد سفروں پر جاتے رہے اور حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کی ہدایت پر عمل کرنے کی وجہ سے زیادہ منافع کماتے رہے۔

تجارت میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا تجربہ اور مہارت اس قدر تھی کہ جو شخص حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کی ہدایت اور رہنمائی میں تجارت کرتا تھا' زیادہ فائدہ حاصل کرتا تھا۔ جو لوگ آپؐ کے شریکِ تجارت نہیں تھے' وہ بھی آپؐ سے ضروری تجارتی رہنمائی اور مشورہ کرتے تھے۔ حضرت ابو طمامہؓ کے بارے میں ایک روایت یہ بھی ہے کہ انہوں نے حضورِ انور صلی اللہ علیہ

وسلم سے عرض کیا کہ اگر آپ تھوڑی دیر کے لیے یہاں توقف کریں تو میں گھر ہو آؤں اور پھر آپ سے ایک ضروری معاملے میں مشورہ لوں۔ (لکشمن پرشاد' سوامی۔ عرب کا چاند۔ ص ۹۹)

حضورِ پُرنور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے پہلے شریکِ تجارت' آپؐ کے چچا ابوطالبؓ تھے۔ اور' جیسا کہ ہم پہلے عرض کر چکے ہیں' حضرت عبداللہؓ کے سامانِ تجارت اور ترکے کو حضرت ابوطالبؓ نے کاروبار میں لگایا اور بچپن ہی میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو شام کے تجارتی سفر میں ساتھ لے جانے کا مقصد بھی آپؐ کو کاروباری رموز سے آگاہ کرنا تھا۔ اور' یہ کہانی کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم چچا کی ٹانگوں سے لپٹ گئے کہ میں تو آپ کے ساتھ جاؤں گا' محض کہانی ہے۔ ڈاکٹر نور محمد غفاری اگرچہ اس حقیقت کو تو تسلیم نہیں کرتے لیکن کہتے ہیں۔ "آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چچا ابوطالب کے ساتھ رہ کر اور ان کے ساتھ بعض تجارتی سفر کر کے تجارتی معاملات کا تجربہ حاصل کر لیا تھا۔ آپؐ کے تجارتی اخلاق کا ہر شخص گرویدہ تھا"۔ (نبیؐ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی معاشی زندگی۔ ص ۷۵) سید فضل الرحمان بھی لکھتے ہیں۔ "آپ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کے چچا ابوطالب بھی تجارت کرتے تھے۔ آپؐ نے بھی بچپن میں ان کے ساتھ کچھ تجارتی سفر کیے تھے جس سے آپؐ کو خرید و فروخت میں خاصا تجربہ حاصل ہو گیا تھا اور آپؐ کے حسنِ معاملہ کی شہرت بھی عام ہو چکی تھی"۔ (فضل الرحمان' سید۔ ہادیٔ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم۔ ص ۹۲' ۹۳)

باڈلے لکھتے ہیں۔ "تجارت میں دیگر تاجروں کے علاوہ اپنے چچا کی نمایندگی کرنے اور ان کا کام سنبھالنے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو زیادہ مدت انتظار کی زحمت گوارا نہیں کرنی پڑی۔ بلکہ پچیس سال سے بھی کم عمر کے تھے کہ آپؐ کا شمار مغربی عرب کے سرگرم عمل اور مستعد کار تاجروں میں

ہونے لگا"۔ (باڈلے۔ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم۔ اردو ترجمہ۔ ص ۸۰)

اپنے بڑے چچا حضرت زبیر بن عبدالمطلبؓ کے ساتھ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سفر یمن کا ذکر بھی پہلے آ چکا ہے۔ (الوفا۔ ص ۱۳۲ / سیرتِ دحلانیہ۔ ص ۳۴۴ / تاریخِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔ ص ۲۱۰ / نقوش۔ رسولؐ نمبر۔ جلد ۲۔ ص ۴۷۵ / روضۃ الاحباب۔ اردو ترجمہ از مفتی عزیز الرحمان بنام "رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم"۔ ص ۲۸) ایم ڈی فاروق اور محمد احسان الحق تو اس کے قائل ہیں کہ سرکار صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے جتنے تجارتی سفر کیے' وہ اپنے تایا حضرت زبیرؓ ہی کی معیت میں کیے۔ (تاریخِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔ ص ۲۰۸' ۲۱ / شبلی۔ سیرتِ طیبہ۔ ص ۳۱ (حاشیہ)

چنانچہ اس حقیقت کو ماننے میں تامل یا تردد کی کوئی گنجائش نہیں کہ حضرت زبیرؓ کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ایک بار یا ایک سے زیادہ مرتبہ جتنے بھی سفر کیے' وہ تجارتی سفر ہی تھے اور اس میں آقا حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اپنے تایا جان کے ساتھ شریکِ تجارت کی حیثیت سے تشریف لے گئے تھے۔

یہ تو واضح ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بچپن اور شباب مبارک کے بارے میں معلومات کتبِ سیرت میں بہت کم ملتی ہیں۔ اعلانِ نبوت کے بعد کے واقعات یا مدینۂ طیبہ میں مستقل قیام کے بعد کے حالات کو قلم بند کرتے ہوئے بھی آقا حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے معاشی حالات لکھنے پر زیادہ توجہ نہ دی گئی اور ایسے اشارات مہیا کیے گئے جو بعض صورتوں میں حضور نبی الانبیا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی شان اور عظمت کے مطابق نہیں۔ ایسے میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تجارت اور کاروباری زندگی کے بارے میں جو واقعات ملتے ہیں' ان سے بھی بڑی حد تک صرفِ نظر کیا گیا' یا ان سے موزوں نتائج

حاصل کرنے کی طرف توجہ نہ دی گئی۔ لیکن ہم نے اس خیال سے اس موضوع
پر حاصل ہونے والی جزئی معلومات کی تدوین سے یہ کوشش کی ہے کہ گھٹائیں
چھٹ جائیں' صورت حال واضح ہو کر سامنے آ جائے اور دنیا کو معلوم ہو جائے
کہ ہمارے آقا حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ و سلم زندگی بھر خود کما کر نہ صرف اپنے
عیال کو بلکہ مصیبت زدوں' غریبوں' مسافروں اور مہمانوں کو کھلاتے رہے۔

اپنے تایا حضرت زبیرؓ اور چچا حضرت ابو طالبؓ کے ساتھ تجارت کی
شراکت کے بعد یہ حقیقت بھی اپنی جگہ موجود ہے کہ آپ کے عزیز دوست
(جن کی رفاقت نوجوانی سے آج تک ضربُ المثل ہے) حضرت ابو بکرؓ کے ساتھ
مل کر بھی حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ و سلم نے تجارت کی۔ اور اگرچہ سیرت نگار
حضرات نے اس طرف آنکھ اٹھا کر دیکھنا بھی گوارا نہیں کیا لیکن واقعہ یہ ہے کہ
حضرت ابو بکرؓ کے ساتھ سرکار صلی اللہ علیہ و آلہٖ و سلم کا یہ تعلق زندگی بھر رہا۔

"انوارِ محمدیہ" میں ہے۔ حضرت ابن عباس (رضی اللہ عنہما) راوی ہیں
کہ جب حضرت ابو بکر صدیق اٹھارہ برس کے تھے اور حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ
و سلم کی عمر بیس سال تھی' وہ دونوں اکٹھے بہ غرضِ تجارت شام کو گئے اور ایک
ایسے مقام پر اترے جس میں بیر کا درخت تھا۔ آپؐ اس کے سائے کے نیچے بیٹھ
گئے' اور حضرت ابو بکر صدیق بحیرا راہب کے پاس کوئی بات پوچھنے گئے۔ راہب
نے پوچھا' درخت کے سائے میں وہ شخص کون ہے؟ کہا' محمدؐ بن عبداللہ بن
عبدالمطلب ہیں۔ کہنے لگا' بخدا اس درخت کے سائے میں حضرت عیسیٰ علیہ
السلام کے بعد صرف محمدؐ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم کا بیٹھنا مقدر ہے اور
آپؐ پیغمبر ہیں۔ (انوارِ محمدیہ۔ ص ۵۴۔ امام قسطلانی کی مشہورِ زمانہ کتاب
"المواہب اللدنیہ" کی تلخیص امام یوسف بن اسماعیل نبہانی نے "الانوار
المحمدیہ" کے نام سے کی۔ زیرِ نظر کتاب اس کا اردو ترجمہ ہے جو پروفیسر غلام

ربانی عزیز نے کیا) ابراہیم سیالکوٹی اور ابوالجلال ندوی نے بھی اس تاجرانہ سفر کا ذکر کیا ہے۔ (سیرتُ المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم۔ حصہ اول۔ ص ۱۳۶' ۱۳۷ / نقوش۔ رسولؐ نمبر۔ جلد ۲۔ ص ۵۷۴۔ مضمون "فخرِ موجودات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مکی زندگی" از ابوالجلال ندوی)

اگرچہ اس معاملے میں کتبِ سیرت خاموش ہیں لیکن جسٹس پیر محمد کرم شاہ الازہری کا خیال درست معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ کئی تجارتی سفروں میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ گئے۔ لکھتے ہیں۔ "بعثت سے پہلے نبیٔ مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم اور حضرت ابوبکر کے درمیان گہرے دوستانہ مراسم تھے۔ ایک دوسرے کے پاس آمدورفت' نشست و برخاست' ہر اہم بات پر صلاح مشورہ' ہر روز کا معمول تھا۔ کئی تجارتی سفر جو بیرونِ ملک پیش آئے' ان میں بھی ابوبکر حضور (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کے ہم سفر رہے"۔ (ماہنامہ "نورِ اسلام" شرقپور۔ نومبر ۱۹۹۲۔ ص ۹۔ مضمون "حضرت سیدنا صدیقِ اکبرؓ" از پیر محمد کرم شاہ الازہری) سید سلیمان ندوی بھی لکھتے ہیں۔ "آپ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کے کاروبار کے ایک اور ساتھی کا نام ابوبکر تھا۔ وہ بھی مکہ ہی میں قریش کے ایک سوداگر تھے۔ وہ کبھی کبھی سفر میں آپؐ کے ساتھ رہتے تھے"۔ (سلیمان ندوی' سید۔ رحمتِ عالمؐ۔ ص ۱۹)

سیرتِ نبوی (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) پر قلم اٹھانے والوں میں سے بیشتر نے یا تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو مزدوری پر حضرت خدیجہؓ کے قافلے کے ساتھ بھیجا ہے' یا اس کام کو ملازمت گردانا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا شام کی طرف یہ تیسرا سفر حضرت خدیجہؓ کے شریکِ تجارت کی حیثیت سے تھا۔ اس پر تفصیلی گفتگو تو آگے آئے گی۔ فی الحال یہ دیکھیے کہ بعض سیرت نگار بھی اس سفر کے حوالے سے حضرت خدیجہ کو حضور علیہ الصلوٰۃ

والسلام کا شریکِ تجارت ہی قرار دیتے ہیں۔ مثلاً پروفیسر خالد علوی کہتے ہیں۔ "نبیؐ اکرم (صلی اللہ علیہ و آلہٖ و سلم) کی اخلاقی شہرت کی وجہ سے حضرت خدیجہؓ نے آپؐ کو شراکت پر تجارتی کام کے لیے آمادہ کیا اور آپؐ کو بیرونِ ملک اسفار پر بھیجا"۔ (فکر و نظر۔ مارچ ۱۹۸۴۔ ص ۷) مولانا حفظ الرحمان سیوہاروی بھی منافع میں نصف کا شریک بنا کر بھیجنے کی بات کرتے ہیں۔ (حفظ الرحمان سیوہاروی۔ نور البصر فی سیرتِ خیر البشرؐ۔ ص ۴۴) خالد وحید میمنی بھی اس معاملے میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شریکِ تجارت کی حیثیت کو تسلیم کرتے ہیں۔ (خاتونِ پاکستان۔ رسولؐ نمبر۔ اگست ۱۹۶۳۔ ص ۲۱۲)

سُننِ ابو داوٗد میں ہے، حضرت سائبؓ کہتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم کے پاس آیا۔ لوگ میرا ذکر کر رہے تھے اور میری تعریف کر رہے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم نے فرمایا، میں اسے خوب جانتا ہوں۔ میں نے عرض کیا، میرے ماں باپ آپ پر قربان! آپ نے سچ ارشاد فرمایا۔ آپ میرے شریکِ تجارت تھے۔ کتنے اچھے شریک تھے، نہ کھینچا تانی کرتے اور نہ جھگڑا کرتے۔ (سُننِ ابو داوٗد۔ کتاب الادب۔ باب فی کراہیتہ المرآء۔ حدیث نمبر ۴۰۹ / سیَرُ الصحابہ۔ جلد دوم۔ مہاجرین حصہ اول۔ ص ۳۸ / نبیؐ کریم صلی اللہ علیہ و آلہٖ و سلم کی معاشی زندگی۔ ص ۷۵) ابنِ اثیر نے بھی یہ حدیث بیان کی ہے۔ (اُسد الغابہ۔ جلد چہارم۔ ص ۶۰)

امام عبدالرحمٰن ابنِ جوزی حضرت سائبؓ کی بارگاہِ مصطفوی (صلی اللہ علیہ و آلہٖ و سلم) میں حاضری کا یہ موقع فتحِ مکہ کا قرار دیتے ہیں۔ (الوفا۔ ص ۱۸۱)

ابنِ ہشام نے کسی حوالے کے بغیر سائب بن ابی سائب بن عائذ بن عبداللہ بن عمر بن مخزوم کے بارے میں یہ حدیث نقل کی ہے۔ "سائب بہترین شریک ہے کہ نہ وہ اصرار کرتا ہے، نہ جھگڑا کرتا ہے"۔ (سیرت النبیؐ کامل مرتّ

ابن ہشام۔ اردو ترجمہ از عبدالجلیل صدیقی۔ حصہ اول۔ ص ۸۴۰)

حضرت سائبؓ کا (اگر وہ ابن ابی السائب ہیں) اس وقت حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کا شریکِ تجارت ہونا تو حدیث کی رُو سے ثابت ہو جاتا ہے، جب سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ابھی اعلانِ نبوت نہیں فرمایا تھا۔ شبلی نعمانی سنن ابوداؤد میں حضرت سائبؓ کے بارے میں بیان کردہ وہ حدیث کے حوالے کے بعد قیسؓ بن سائب مخزومی کے بارے میں کہتے ہیں کہ وہ بھی آپ (صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم) کے شریکِ تجارت تھے۔ نیز لکھتے ہیں کہ "وہ بھی انھی الفاظ کے ساتھ آپؐ کے حسنِ معاملہ کی شہادت دیتے ہیں"۔ (شبلی۔ سیرت النبیؐ۔ جلد اول۔ "شغلِ تجارت") شبلی نے یہ بات "اصابہ فی تمیز الصحابہ" کے حوالے سے کہی ہے۔ پروفیسر خالد علوی نے شبلی کے یہ الفاظ اپنے مضمون میں نقل کیے ہیں لیکن حوالہ ابنِ حجر (اصابہ) یا شبلی (سیرت النبیؐ) کا نہیں، سنن ابوداؤد کتاب الادب، باب فی کراہیۃ المراء کا دیا ہے۔ (فکر و نظر۔ مارچ ۱۹۸۴۔ ص ۹، ۱۷) جو درست نہیں۔ ابوداؤد کی اس بات میں قیس بن سائب کے بارے میں ایسی کوئی حدیث نہیں ہے۔

مولانا سید محمد میاں نے سائب بن ابی سائب کے بارے میں سُنن ابوداؤد میں بیان کردہ حدیث ہی قیس بن سائب سے منسوب کر دی ہے۔ (سیرت مبارکہ محمدؐ رسول اللہ، قرآن اور تاریخ کے آئینہ میں۔ مطبوعہ لاہور۔ ۱۹۸۶۔ ص ۱۹۶)

ابنِ اثیر قیسؓ بن سائب کا ذکر الگ کرتے ہیں اور لکھتے ہیں کہ بعض کے بقول یہ زمانۂ جاہلیت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شریک تھے۔ (اُسد الغابہ۔ جلد ہفتم۔ ص ۲۹۰)

حضرت سائبؓ کے بارے میں حدیثِ پاک بیان ہو چکی۔ اصابہ میں

ہے' حضرت عبداللہؓ بن سائب کہتے ہیں' زمانۂ جاہلیت میں میں آپؐ کا شریکِ تجارت تھا۔ جب اسلام قبول کرنے کے بعد حاضر ہوا تو آپؐ نے مجھ سے سوال کیا' مجھے پہچانتے بھی ہو؟ میں نے عرض کیا' کیوں نہیں' آپ تو میرے شریک تجارت تھے۔ کیا ہی اچھے شریک تھے' نہ کسی بات کو ٹالتے تھے' نہ ہی تکرار کرتے تھے"۔ (اصابہ بحوالہ نبیؐ کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی معاشی زندگی۔ ص ۷۶۔ ڈاکٹر نور محمد غفاری نے اصابہ کا نام "اصابہ فی تعریفِ الصحابہ" لکھا ہے' جو غلط ہے)

ابنِ اثیر نے ان کا پورا نام عبداللہ ابن سائب بن ابی سائب لکھا ہے اور لکھا ہے کہ ان سے اہلِ مکہ نے قراءت حاصل کی تھی۔ یہ بھی ہے کہ ابنِ کثیر نے قرآن پاک حضرت مجاہد بن جبیر سے پڑھا اور مجاہد نے عبداللہؓ بن سائب سے۔ ہشام بن محمد کلبی نے کہا ہے کہ یہ زمانۂ جاہلیت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے شریکِ تجارت تھے۔ واقدی سائبؓ بن ابی سائب کو اور بعض دوسرے' قیس بن سائب کو حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا شریکِ تجارت قرار دیتے ہیں۔ (اُسُدُ الغابہ۔ جلد پنجم۔ اردو ترجمہ۔ ص ۲۳۲) علامہ جلال الدین سیوطی عبداللہ بن سائب کو شریکِ تجارت بتاتے ہیں۔ (الخصائص الکبریٰ۔ جلد اول۔ اردو ترجمہ از راجا رشید محمود۔ ص ۲۶۸) سید فضل الرحمان عبداللہ بن سائب اور قیس بن سائب دونوں کو شریکِ تجارت بتاتے ہیں۔ (ہادیٔ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم۔ ص ۹۴)

ہم پہلے لکھ چکے ہیں کہ شبلی سائب بن ابی سائب اور قیس بن سائب دونوں کو شریکِ تجارت لکھتے ہیں۔ مولانا مودودی لکھتے ہیں۔ ابنِ عبدالبر نے استیعاب میں قیس بن السائب بن عویمر مخزومی لکھا ہے' مُسندِ احمد کی کسی روایت میں سائب بن عبداللہ المخزومی بیان کیا گیا ہے اور کسی میں سائب بن ابی

السائب۔ ابوداؤد میں ان کا نام سائب ہی بیان کیا گیا ہے۔ (مودودی' ابوالاعلیٰ۔ سیرتِ سرورِ عالمؐ۔ جلد دوم۔ ص ۱۱۸)

سائب' قیس بن سائب' عبداللہ بن سائب کے حوالے سے سامنے آنے والی ان روایتوں سے ہو سکتا ہے' ایک ہی شخصیت مراد ہو' لیکن یہ بات بھی بعید از قیاس نہیں کہ کوئی باپ بیٹا حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کے کاروبار میں شریک رہے ہوں۔

امام عبدالرحمٰن ابنِ جوزی (الوفا۔ ص ۶۸ تا ۷۱) اور امام جلال الدین سیوطی (الخصائص الکبریٰ۔ جلد اول۔ ص ۱۸۷ تا ۱۸۹) ابوسفیان بن حارث کے بارے میں تفصیلی واقعہ بیان کرتے ہیں کہ وہ اور امیہ بن ابی الصلت شام کے تجارتی سفر کو گئے۔ وہاں نصرانی عالموں سے حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کی آمد کی بشارتیں سنیں۔ مکہ مکرمہ واپس پہنچ کر چند روز قیام کیا اور پھر ابوسفیان کہتے ہیں' میں تجارت کے لیے حبشہ چلا گیا۔ پانچ ماہ کے بعد وہاں سے واپس آیا تو لوگ میرے پاس آتے' اپنے سامان کے متعلق اور قیمتِ فروخت کے متعلق دریافت کرتے لیکن حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم سب سے آخر میں میرے پاس آئے' مجھ سے میرا حال چال پوچھا' سفر کی تفصیلات دریافت کیں اور پھر تشریف لے گئے' اپنے سامان کے بارے میں کچھ نہیں پوچھا' حالانکہ سامان اُن کا بھی میرے پاس تھا"۔ (الوفا۔ ص ۷۱)

حضرت خزیمہؓ اُمُّ المؤمنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بھتیجے تھے اور ہم جانتے ہیں کہ جس سفرِ شام میں میسرہؓ حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کی خدمت کے لیے ہمراہ تھے' اس میں حضرت خزیمہؓ بھی ساتھ تھے۔ لیکن باڈلے لکھتا ہے کہ "خزیمہ کہ حضرت خدیجہؓ کے بھتیجے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کے تقریباً" ہم عمر تھے' انھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کے

ساتھ کئی تجارت مہموں میں شریک ہونے کا موقع ملا تھا اور دوسرے کئی لوگوں کی طرح جنہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم سے سابقہ پڑا تھا' وہ بھی آپ کی اہلیت اور دیانتداری کے قائل ہو چکے تھے۔ اور ان کا شمار آپؐ کے مداحوں میں ہوتا تھا"۔ (باڈلے۔ الرسولؐ۔ ص ۸۸)

ایک بار حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم نے حضرت حکیمؓ بن حزام کو ایک دینار قربانی کا جانور خریدنے کے لیے دیا۔ انہوں نے ایک مینڈھا ایک دینار میں خریدا اور دو دینار میں بیچ ڈالا۔ پھر ایک جانور ایک دینار میں خریدا اور اس کو مع اس دینار کے' جو نفع میں حاصل ہوا تھا' لے کر بارگاہِ رسالت میں آ پہنچے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کر دیا۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم نے وہ دینار صدقہ کر دیا اور ان کے لیے دعا کی کہ اللہ ان کی تجارت میں برکت عطا فرمائے۔ (مشکوٰۃ' ترمذی و ابوداؤد۔ بحوالہ "آسمانِ ہدایت کے ستر ستارے" از طالب ہاشمی۔ ص ۲۰۷)

اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم سے حکیمؓ بن حزام کے مراسم کی بنیاد دوستی تو تھی لیکن وہ آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے شریکِ تجارت بھی تھے۔ واقعہ یہ ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم تبلیغ دین اور مدینۂ طیبہ میں امورِ مملکت میں زیادہ مشغول ہو گئے تو آپؐ کی تمام تر تجارت آپ کے شریک تجارت لوگوں ہی کی معرفت ہوتی تھی۔ خود حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اتنا وقت نہیں ملتا تھا کہ وہ مقامی یا غیر مقامی طور پر مال و اسباب کی خرید و فروخت کر سکتے۔ ایسے میں وہ حضرات جن کا ذکر اوپر آ چکا ہے' اور وہ حضرات جن کے بارے میں تاریخ و سِیَر کے کونے کھدرے بھی خاموش ہیں' ان کی شراکت کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم تجارت فرماتے رہے۔

ابنِ اثیرؒ نے حضرت نواسؓ بن سمعان بن خالد کے حالات میں لکھا ہے کہ وہ حضور رسولِ کریم (صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم) سے ملاقات کرنے کو گئے۔ آپؐ ابھی تک مکہ ہی میں تھے۔ حضورِ اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے دریافت فرمایا، تم کس قبیلے سے تعلق رکھتے ہو؟ انہوں نے جواب دیا، ضبیعہ بن ربیعہ سے۔ حضور (صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم) نے فرمایا، ربیعہ کے ذیلی قبائل میں عبدالقیس کا نمبر پہلا ہے، اور پھر تمہارا۔ راوی کہتا ہے، پھر رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دو حُلّے دے کر انہیں خرید و فروخت کے لیے یمن کو روانہ کیا۔ (اُسُد الغابہ۔ جلد نہم۔ ص ۸۶)

قارئینِ کرام محسوس فرما سکتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم اپنے عزیزوں، دوستوں اور اہلِ قبیلہ کو تو اپنی تجارت میں شریک فرماتے ہی تھے، باہر سے آنے والے صحابہ کو بھی مال دے کر تجارت کی غرض سے روانہ فرما دیتے تھے۔ اس طرح، کتبِ سیرت کے خاموش رہنے کے باوجود حالات زبان سے بولتے ہوئے نظر آتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی حیاتِ طیّبہ کے کسی مرحلے میں بھی کسبِ معاش سے توجہ نہیں ہٹائی اور اپنے معاشی پیشے تجارت کے لیے لوگوں کو شریکِ تجارت بنائے رکھا۔ اور کسی لمحے کے لیے بھی انہوں نے اپنی محترم اہلیہؓ یا صحابہؓ کے مال پر نظر نہیں رکھی۔

ایک اہم شریکِ تجارت ---- حضرت خدیجہؓ

جب حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے آبا و اجداد تجارت ہی کے پیشے سے وابستہ تھے، جب آپ صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کے والدِ گرامی اپنی نوجوانی کے عالم میں تجارت ہی کے سلسلے میں سفر پر تشریف لے گئے اور یثرب میں انتقال فرمایا، جب خود سرکار صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم نے بچپن ہی سے تجارتی سفر

شروع کر دیے تھے، جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تجارت کے سلسلے میں عرب کی تجارتی منڈیوں کے سفروں کے علاوہ بیرونِ ملک بھی تشریف لے جاتے رہے، جب تجارت میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی کامیابی اور شہرت کا یہ عالم ہوا کہ صادق اور امین مشہور ہو گئے، جب ہمارے محترم سیرت نگاروں کے اس طرف توجہ نہ دینے کے باوجود کئی شریکِ تجارت لوگ سامنے آتے ہیں ----
تو اس بات کا کیا جواز ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم حضرت خدیجہؓ کی ملازمت کریں یا اُجرت لے کر ان کا سامان، تجارت کی غرض سے شام یا کہیں اور لے جائیں۔

دراصل حضرت خدیجہؓ کے سلسلے میں گھڑی جانے والی کہانی کے زیادہ تر حصے بے بنیاد ہیں لیکن چونکہ کہانی کاروں کے نام بڑے بڑے ہیں، اس لیے لوگ گفتگویں نہیں کرتے کہ فتووں سے ڈرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے محبوبِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی حیاتِ طیّبہ کا ذکر کرتے ہوئے ڈرنا تو اللہ کی گرفت سے چاہیے، ڈرنا تو اللہ کے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ناراضی سے چاہیے۔ اور، اگر ہم حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مقام اور مرتبے سے دور تر بات کرتے ہیں یا جانتے بُوجھتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے غلط حالات، غلط واقعات منسوب کرتے ہیں یا انہیں نقل در نقل بیان کرتے چلے جاتے ہیں تو ہمارا یہ عمل ہمیں قیامت کے دن مشکل اور مصیبت میں ڈالے گا۔
سیرت کی سیکڑوں ہزاروں کتابوں کا کیا فائدہ، اگر ہر آدمی الفاظ اور فقرے بدل بدل کر وہی سب کچھ لکھتا چلا جائے جو اب تک لکھا جا رہا ہے، یہ سوچے بغیر کہ اس میں حقیقت کتنی ہے۔

ہم نے سیرتِ پاک لکھتے ہوئے ایک ہی نکتہ پیشِ نظر رکھا ہے کہ جو بات حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے مقام سے کمتر لگتی ہے، اس کا تجزیہ کرتے

ہوئے بڑے سے بڑے اور چھوٹے سے چھوٹے سیرت نگار کے نام اور مقام کو سامنے نہیں رکھیں گے۔ بات کا تجزیہ کر کے' ثبوت فراہم کر کے' دلائل کے ساتھ' اصل بات کی طرف لوگوں کی توجہ مبذول کرائیں گے۔ تاکہ سیرتُ النبی (صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم) کے حوالے سے اب تک جو رٹی پٹی باتیں کہی جا رہی ہیں' ان کا تجزیہ ہو اور اصل صورت حال سامنے آئے۔

حضرت خدیجہؓ کے سلسلے میں اب تک یہی لکھا جاتا رہا ہے کہ وہ عرب کی مشہور اور بہت بڑی تاجر تھیں اور حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم بہت غریب تھے۔ حضرت ابوطالبؓ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے کہا کہ اپنی خدمات خدیجہ کی خدمت میں پیش کریں لیکن حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کی غیرت نے کسی کے پاس طالب اور سائل بن کر جانا گوارا نہ کیا۔ (محمد کرم شاہ الازہری' پیر۔ ضیاءُ النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔ جلد دوم۔ ۱۲۸) طبقاتِ ابنِ سعد میں ہے کہ ابوطالب نے حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم سے کہا کہ "خدیجہ بنتِ خویلد اپنے تجارتی قافلوں میں تمہاری قوم کے کچھ لوگوں کو بھیجا کرتی ہے' اگر وہاں جا کے تم اپنے آپ کو ان پر پیش کرو تو وہ فوراً" تمہیں منظور کر لیں گی"۔ (طبقاتِ ابنِ سعد۔ جلد اول۔ اخبارُ النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔ اردو ترجمہ از عبداللہ عمادی۔ ص ۲۰۰) شیخ محمد رضا مصری بھی یہی کہتے ہیں کہ ابوطالب نے حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم سے کہا "خدیجہ بنتِ خویلد تمہاری قوم کے کچھ لوگوں کو اپنے تجارتی اونٹوں کے ہمراہ تجارت کے لیے بھیجا کرتی ہیں"۔ (محمد رضا' شیخ۔ محمدؐ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ اردو ترجمہ از عادل قدوسی۔ ص ۴۲) اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ حضرت خدیجہؓ کسی مختلف قوم سے تعلق رکھتی تھیں اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کسی اور قوم سے تعلق رکھتے تھے۔

یا یہ کہا جاتا ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کی شہرت

حضرت خدیجہؓ تک پہنچی تو انہوں نے خود پیشکش کی۔ ابنِ اسحاق کا بیان ہے کہ "جب انھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی راست گوئی، امانت اور مکارمِ اخلاق کا علم ہوا تو انہوں نے ایک پیغام کے ذریعے پیشکش کی"۔ (ابنِ ہشام بحوالہ الرحیق المختوم از صفی الرحمان مبارکپوری۔ ص ۱۱۰) مورخ ابوالفدا لکھتا ہے کہ حضرت خدیجہ بنتِ خویلد قوم قریش میں ایک صاحبِ شرافت اور دولتمند بی بی تھیں جن کے یہاں تجارت ہوتی۔ انھوں نے آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کی راست بازی اور امانت داری کی خبریں سن کر آپ سے استدعا کی ....."۔ (احمد حسین خاں، نواب۔ تاریخِ احمدیؑ۔ ص ۱۰) اس سے یہ تأثر ملتا ہے کہ حضرت خدیجہؓ کے خاندان اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خاندان میں دُوری تھی اور جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے بارے میں خبریں خدیجہؓ تک پہنچیں تو انہوں نے پیشکش کی۔

محمد ادریس کاندھلوی لکھتے ہیں کہ "جب گھر گھر میں آپؐ کی امانت و دیانت کا چرچا ہوا اور کوئی شخص مکہ میں ایسا نہ رہا کہ آپؐ کو امین کے لقب سے نہ پکارتا ہو تو حضرت خدیجہؓ نے آپ کے پاس پیام بھیجا"۔ (ادریس کاندھلوی، محمد۔ سیرتُ المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم۔ جلد اول۔ ص ۹۹، ۱۰۰)

ڈاکٹر نور محمد غفاری نے ان دونوں روایتوں کو ایک کرنے کی کوشش میں یوں آگے پیچھے کر دیا ہے کہ بات غتربود ہو گئی ہے۔ کہتے ہیں۔ "جب حضرت خدیجہ نے امینِ مکہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی امانت اور صفائی کے واقعات سُنے تو پیشکش کی اور حضرت ابوطالبؑ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو خدیجہ کے پاس جانے کو کہا۔ غفاری صاحب نے اس کے بعد پھر لکھ دیا ہے کہ خدیجہ کو ابوطالب کے مشورے کی اطلاع ہوئی تو انہوں نے خود ابتدا کی"۔ (نبیؐ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی معاشی زندگی۔ ص ۸۱، ۸۲ حاشیہ)

ان سب روایتوں یا ان روایتوں کی تطبیق کی ہر کوشش سے نتیجہ یہی نکلتا ہے کہ پہلے سے حضرت خدیجہؓ اور حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کا کوئی رشتہ نہیں تھا اور حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کی امانت و دیانت کی شہرت سن کر خدیجہ نے' یا خدیجہ کے قافلے کی خبر سن کر ابو طالب نے کوشش کی اور ملازمت یا مزدوری کا یہ کام ہوا۔

جب اس سفرِ شام سے واپسی ہوئی تو بقولِ مولانا مودودی' میسرہ نے حضرت خدیجہؓ کو تفصیل کے ساتھ بتایا کہ اس نے آپ (صلیٰ اللہ علیہ و آلہٖ وسلم) کو کیسا پایا ہے"۔ (مودودی' ابوالاعلیٰ۔ سیرتِ سرورِ عالمؐ۔ جلد دوم۔ ص ۱۱۲' ۱۱۳) اس سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت خدیجہؓ حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کو نہیں جانتی تھیں' میسرہ کی زبانی حالات سن کر واقفیت ہوئی۔ یہی بات تمام سیرت نگار لکھتے ہیں۔

طبقاتِ ابنِ سعد میں ہے' نفیسہ بنت منبہ کہتی ہیں کہ خدیجہ کے تجارتی قافلے میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) جب شام سے واپس آئے تو چپکے سے خدیجہ نے مجھے ان کے پاس بھیجا" اور نکاح کی بات ہوئی۔ (طبقاتِ ابنِ سعد۔ حصۂ اول۔ ص ۲۰۴) شیخ محمد رضا مصری کہتے ہیں۔ "کہا جاتا ہے کہ انہوں نے اپنی بہن کو اور بقول بعض اپنی کنیز نفیسہ کو بھیجا تھا"۔ (محمد رضا' شیخ۔ محمدؐ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ ص ۶۳) اس سے بھی یہی بات نکلتی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم اور حضرت خدیجہؓ میں کسی قسم کا رابطہ نہ تھا' رشتہ داری نہ تھی' میل ملاقات نہ تھی' اسی لیے کنیز کو یا اپنی بہن کو حضرت خدیجہؓ نے حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کے پاس بھیجا۔

علامہ شبلی نعمانی نے اس دُوری کو دوسرے انداز میں ثابت کرنا چاہا ہے۔ لکھتے ہیں۔ "حضرت خدیجہؓ الکبریٰ ایک معزز خاتون تھیں۔ ان کا سلسلہ

نسب پانچویں پشت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان سے ملتا ہے اور اس رشتہ کے لحاظ سے وہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی چچیری بہن تھیں"۔ (شبلی نعمانی۔ سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔ جلد اول۔ عنوان "ترویج خدیجہؓ")

میری سمجھ میں نہیں آتا کہ ہمارے محترم سیرت نگار اس ساری کوشش سے کیا ثابت کرنا چاہتے ہیں۔ شاید صرف یہی کہ ایک خاتون بہت امیر ہیں' حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم بہت غریب ہیں۔ ان کا آپس میں کیا رشتہ ہو سکتا ہے' ان کا آپس میں میل کیوں ہو۔ یہ ساری پریشانی شاید انھیں اس لیے ہے کہ کہیں حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم عسرت اور غریبی کے چنگل سے نکلے ہوئے نظر نہ آجائیں۔

حقیقت یہ ہے کہ حضرت خدیجہؓ سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا تعلق ایک سرمایہ دار خاتون اور غریب کارکن کا نہیں ہے کہ ان کی امانت و صداقت کی شہرت نے انھیں متوجہ کیا ہو' یا اُن کی ثروت مندی نے انھیں ملازمت یا مزدوری کی طرف راغب کیا ہو۔ یہ تأثر دینا بھی درست نہیں کہ ایک کا دوسرے کے ساتھ تعلق کئی پشتوں کے بعد ملتا ہے بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ساتھ حضرت خدیجہؓ کے کئی قریبی رشتے متحقق ہیں۔

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی محبوب پھوپھی حضرت صفیہؓ حضرت خدیجہؓ کی سگی بھابھی ہیں۔ حضرت خدیجہؓ کے بھائی عوّام حضرت صفیہؓ کے سگے بھائی ہیں۔ طالب الہاشمی لکھتے ہیں۔ "حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور حضرت صفیہؓ نے ایک ہی گھر میں پرورش پائی تھی' اس لیے انھیں حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے غیر معمولی محبت تھی۔ خود حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم بھی ان سے پیار محبت سے پیش آتے تھے"۔ حضرت صفیہؓ کو یہ اعزاز

بھی حاصل ہے کہ انہوں نے دعوتِ حق کے آغاز ہی میں اسلام قبول کر لیا تھا۔ (شہناز کوثر۔ حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کی رشتہ دار خواتین۔ ص ۵۹)

حضرت خدیجہؓ کے عزیز بھتیجے حکیمؓ بن حزام حضرت خدیجہؓ سے دو سال چھوٹے تھے۔ عام الفیل سے تیرہ برس پہلے پیدا ہوئے۔ (اُسد الغابہ۔ جلد سوم۔ ص ۵۵) اعلانِ نبوت سے پہلے حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کے دوستوں میں سے تھے۔ (محمد اشرف' عبدالمصطفیٰ۔ سیرتُ المصطفیٰؐ صلی اللہ علیہ وسلم۔ جلد دوم۔ ص ۹' ۱۰ / محمود احمد غضنفر۔ حیاتِ صحابہؓ کے درخشاں پہلو۔ ص ۱۳۵) مسندِ احمد کی روایت ہے کہ حضرت حکیمؓ بن حزام نے بیان کیا کہ جاہلیت کے زمانے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ کو سب سے زیادہ محبت تھی۔ زبیر بن بکار کہتے ہیں کہ نبوت کے بعد بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ان کی محبت جوں کی توں رہی۔ اگرچہ یہ فتحِ مکہ کے بعد ایمان لائے۔ (مودودی۔ سیرتِ سرورِ عالمؐ۔ جلد دوم۔ ص ۱۲۴)

حضرت خدیجہؓ کے دوسرے بھتیجے زبیر بن عوّام حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کے پھوپھی زاد بھائی ہیں۔ اگرچہ یہ اس وقت پیدا نہیں ہوئے تھے لیکن ان کی ماں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پیاری پھوپھی صفیہؓ ہیں۔

حضرت خزیمہؓ حضرت خدیجہؓ کے رشتہ دار تھے اور حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کے دوست تھے۔ یہ بھی میسرہ کے ساتھ سفرِ شام میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ تھے۔ (جمال حسینیؒ سید۔ رسالتمآبؐ۔ اردو ترجمہ۔ ص ۲۹) "روضۃ الاحباب" میں انھیں حضرت خدیجہؓ کا رشتہ دار لکھا ہے' ابنِ اثیر نے انھیں ان کے سسرالی رشتہ دار لکھا ہے۔ (اسد الغابہ۔ جلد سوم۔ ص ۱۵۹) باڈلے لکھتے ہیں۔ "خزیمہؓ کہ حضرت خدیجہؓ کے ایک بھتیجے اور رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کے تقریباً" ہم عمر تھے۔ انھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہٖ

وسلم کے ساتھ کئی تجارتی مہموں میں شریک ہونے کا موقع ملا تھا"۔ (باڈلے۔ الرسولؐ۔ ص ۸۸)

حضرت خدیجہؓ کی بھابھی حضرت صفیہؓ کے بھائی حضرت حمزہؓ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ہم عمر دوست' چچا اور رضاعی بھائی تھے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اُن کے ساتھ اور اُن کی سرکار صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ساتھ محبت ضربُ المثل ہے۔ آقا حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فتح مکہ کے بعد جن پندرہ افراد کو قتل کرنے کا حکم صادر فرمایا' ان میں حضرت حمزہؓ کا قاتل وحشی حبشی اور قتل کرانے والی ہند بنت عتبہ (ابوسفیان کی بیوی) بھی تھی۔ (محمد رضا' شیخ۔ محمدؐ رسول اللہ۔ ص ۶۱۳)

جن پندرہ افراد کے قتل کا حکم دیا گیا' ان میں ایسے بھی تھے جن کے بارے میں ارشادِ نبوی (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) یہ تھا کہ اگر دیوارِ کعبہ سے لپٹے ہوئے بھی ہوں تو بھی قتل کر دیے جائیں لیکن جب ان میں سے زیادہ تر لوگ اسلام لے آئے تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اُن کا اسلام قبول کر لیا لیکن وحشی جس نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو شہید کیا تھا' اسے فرمایا گیا کہ "تیرا بھلا نہ ہو' آیندہ مجھے اپنا منہ نہ دکھانا"۔ (اسد الغابہ۔ جلد نہم۔ ص ۴۳۸) وحشی کہتا ہے "اس کے بعد حضور (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کی وفات تک آپؐ سے چھپتا پھرا"۔ (اسد الغابہ۔ جلد نہم۔ ص ۴۳۸)

'حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے وحشی کے اسلام کو تو رد نہیں فرمایا' کیونکہ یہی اصول طے فرما دیا گیا تھا۔ جب حضرت اسامہ بن زیدؓ نے ایک آدمی کو اس کے کلمہ پڑھنے کے بعد بھی اس یقین کے ساتھ قتل کر دیا تھا کہ اس نے ڈر کر اسلام قبول کرنے کا اقرار کیا ہے' تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے حضرت اسامہؓ پر اظہارِ ناراضی فرمایا۔ (محمد احمد پانی پتی۔ غلامانِ محمدؐ۔ ص ۲۱) لیکن

وحشی کی مثال اس لحاظ سے واحد ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس کے جرم کی سنگینی کی بنا پر اسے سامنے نہ آنا کا حکم دیا۔

"اسد الغابہ" میں ہے کہ جس شخص نے حضرت حمزہؓ کا مُثلہ کیا تھا' وہ معاویہ بن مغیرہ بن ابوالعاص بن امیہ تھا جو عبدالملک بن مروان کا نانا تھا' حضورِ اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) نے غزوۂ اُحُد سے واپسی پر قتل کیا تھا۔ (اسد الغابہ۔ جلد دہم۔ ص ۲۶۷)

حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے یہ محبوب چچا حضرت حمزہؓ حضرت خدیجہؓ کی بھابھی حضرت صفیہؓ کے سگے بھائی تھے۔

اب ذرا ابنِ اسحاق' ابوالفدا' اور محمد ابنِ سعد (رحمۃ اللہ علیہم) اور دوسرے محترم بزرگوں سے پوچھیے کہ اتنی قریبی رشتہ داریوں اور تعلقات سے انھوں نے صَرفِ نظر کیوں کیا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور آپؐ کی پھوپھی صفیہؓ نے ایک ہی گھر میں پرورش پائی' زندگی بھر ان میں محبت کا مثالی تعلق قائم رہا' اور حضرت خدیجہؓ حضرت صفیہؓ کی نند تھیں۔ حکیم بن حزام اور خزیمہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دوست تھے اور اُس وقت بھی دوست تھے' جب سفرِ شام ہوا' پھر حضرت خدیجہ اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم میں اس غیریت کا کیا جواز ہے کہ اُن کو اِن کے بارے میں اور اِنھیں اُن کے بارے میں سُنی سنائی باتوں پر اکتفا کرنا پڑا۔ حضرت حمزہ سے آقا حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی مثالی محبت اور ان کی بہن کا حضرت خدیجہؓ کی بھابھی ہونا بھی انھیں قریب نہ کرسکا۔ پھر اس وقت کا مکہ آج کے کراچی اور لاہور کی طرح کا شہر تھوڑا ہی تھا کہ رشتہ دار اور دوست بھی ایک دوسرے سے دور ہوتے اور دور رہتے۔

بعض سیرت نگارانِ مکرم نے جس طرح حضرت خدیجہؓ اور حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رشتہ داری اور قریبی تعلقات سے اغماض برتا ہے'

اسی طرح سفرِ تجارت کی دوسری جزئیات کے بارے میں بھی افسانے تراشے ہیں۔ تاریخ و سیرت کے مصادر کی حیثیت رکھنے والی کتابوں سے لے کر آج تک کی کتابیں اس سلسلے میں جو معلومات فراہم کرتی ہیں' وہ اسی طرح دلائل کی کسوٹی پر پوری نہیں اترتیں جس طرح سیرتِ پاک اور بہت سے معاملات میں ہو رہا ہے اور ہم اِن شاء اللہ سیرت پاک کی چودہ جلدوں میں ایسے سب معاملات میں بحث و تمحیص کا ارادہ رکھتے ہیں۔

حضرت خدیجہؓ کے مالِ تجارت کے ساتھ شام کی طرف حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کا وہ سفر جس میں میسرہ اور خزیمہؓ بھی آپؐ کے ساتھ تھے' کس حیثیت میں کیا گیا' اس سلسلے میں کتبِ سیر میں تین مختلف باتیں کی گئی ہیں۔ ایک یہ حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم نے معاوضے یا اجرت پر یہ کام کیا۔ (طبقاتِ ابنِ سعد۔ حصہ اول۔ ص ۲۰۰' ۲۰۱ / محمد رضا۔ محمدؐ رسول اللہ۔ ص ۴۲ / جعفر سبحانی۔ فروغِ ابدیت۔ اردو ترجمہ از نصیر حسین۔ ص ۱۲۷ / نبیؐ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی معاشی زندگی۔ ص ۸۱ / ساجد الرحمان۔ سیرتِ رسولؐ۔ ص ۴۳ / ماہنامہ "محدث" لاہور۔ رسولِ مقبولؐ نمبر۔ حصہ اول۔ ص ۱۸۸۔ مضمون "رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بحیثیتِ تاجر" از ثریا بتول) یہ مؤقف رکھنے والے حضرات یہ لکھتے ہیں کہ حضرت خدیجہؓ دوسرے لوگوں کو تو اس کام کا معاوضہ دو اونٹ دیتی تھیں' حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کو چار اونٹ دیئے گئے۔ بعض لکھتے ہیں کہ حضرت ابوطالبؓ نے حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم سے مشورے کے بعد حضرت خدیجہؓ سے یہ مطالبہ کیا تھا اور انہوں نے مان لیا۔ بعض کہتے ہیں' جب منافع زیادہ ہوا تو خوش ہو کر حضرت خدیجہؓ نے یہ معاوضہ دوگنا کر دیا۔

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کی حیاتِ طیبہ جن قارئینِ کرام کی

نظر میں ہے' وہ ذرا غور تو فرمائیں کہ کیا ایسا ممکن ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام دوسرے لوگوں سے زیادہ معاوضہ یا اجرت وصول فرمائیں بلکہ اس کے لیے مطالبے کی اجازت دیں۔ اگر حضرت خدیجہؓ نے یہ معاوضہ بعد میں بڑھایا ہوتا تو بھی حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم یہ زیادہ معاوضہ نہ لیتے کہ یہ معاہدے سے زیادہ تھا اور ایک طرح کی بخشش تھی۔ پھر' چار اونٹ معاوضہ ڈھائی تین ماہ کی محنت کے سفر اور کاروباری زیرکی (سرورِ عالم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کے سفر مبارک۔ ص ۴۱) کا دلوایا جا رہا ہے' اس عظیم ہستی کو جس پر ان کے دادا حضرت عبدالمطلبؓ نے ایک ہزار اونٹ ایک موقع پر صدقہ کر دیے تھے۔ (سیرتِ محمدیہؐ ترجمہ المواہب اللدنیہ۔ جلد اول۔ ص ۱۴۶۔ علامہ قسطلانی بڑے کوہان والی ایک ہزار ناقہ کے علاوہ ساڑھے ۲۸ تولے سونا تصدق کرنا لکھتے ہیں۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی اور ابراہیم سیالکوٹی "بے شمار اونٹ لکھتے ہیں"۔ مدارج النبوت۔ جلد دوم۔ ص ۳۶ / سیرتُ المصطفیٰؐ۔ جلد اول۔ ص ۸۷۔ یہ وہ موقع ہے جب حضرت حلیمہؓ سعدیہ کو حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم نہیں ملے تھے۔ جب ملے تو حضرت عبدالمطلبؓ نے یہ اونٹ' سونا وغیرہ صدقہ کیا۔ احمد زینی دحلان کہتے ہیں' اس موقع پر بکریاں اور گائیں ذبح کر کے اہلِ مکہ کی ضیافت کی گئی۔ سیرتِ دحلانیہ۔ ص ۱۷۷۔ اسی وقت حضرت عبدالمطلبؓ نے حضرت حلیمہؓ کو بہت سا انعام و اکرام عطا فرمایا۔ مدارج النبوت۔ جلد دُوم۔ ص ۳۶ / شواہد النبوت از جامی۔ ص ۶۸ / روضۃ الاحباب۔ اردو ترجمہ بعنوان رسالتمآبؐ از مفتی عزیز الرحمان۔ ص ۴۲ / سیرتِ دحلانیہ۔ ص ۱۷۷ / ابراہیم سیالکوٹی۔ سیرتُ المصطفیٰؐ۔ جلد اول۔ ص ۸۷) بعض حضرات اسے حضرت خدیجہؓ کی ملازمت قرار دیتے ہیں۔ (باڈلے۔ الرسولؐ۔ ص ۸۸'۸۹) باڈلے اس ملازمت کو کامیابی کا پہلا زینہ قرار دیتے ہیں جو "آپؐ کو تمام عربوں کی فرمانروائی کے منصب تک

لے گیا"۔

کچھ سیرت نگار اس واقعے کو اس طرح کی حصہ داری قرار دیتے ہیں جس میں ایک فریق سرمایہ دار ہوتا ہے۔ پیسہ اس کا لگتا ہے' دوسرا فریق غریب لیکن محنتی کارکن ہوتا ہے۔ ایک کا سرمایہ' ایک کی محنت کے اصول پر نفع میں حصہ طے ہو جاتا ہے اور اس کے مطابق تجارت ہوتی ہے۔ ابن ہشام اور بعض دوسرے اہل سیَر اس سفر شام کو اسی طرح کا واقعہ قرار دیتے ہیں۔ (ابن ہشام۔ سیرۃ النبیؐ کامل۔ جلد اول۔ اردو ترجمہ از عبدالجلیل صدیقی۔ ص ۲۱۱ / الرحیق المختوم۔ ص ۱۱۰ / سلیمان ندوی' سید۔ رحمتِ عالمؐ۔ ص ۱۹ / سیرت الرسول من القرآن۔ ص ۹۱ / محمد میاں' سید۔ سیرتِ مبارکہ محمدؐ رسول اللہ قرآن اور تاریخ کے آئینہ میں۔ ص ۲۰۲ / محمد میاں' سید۔ سیرتِ مبارکہ محمدؐ رسول اللہ قرآن اور تاریخ کے آئینہ میں۔ ص ۲۰۲ / حفظ الرحمان۔ نور البصر فی سیرتِ خیر البشرؐ۔ ص ۴۴ / ابوالحسن علی ندوی۔ نبیؐ رحمتؐ۔ ص ۱۱۰)

اس موضوع پر واحد سیرت نگار محمد کلیم ارائیں نظر آتے ہیں جنھوں نے پورے اعتماد اور تحدی کے ساتھ یہ دعویٰ کیا ہے کہ "رسولِ اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) حضرت خدیجہؓ سے نکاح کے وقت مکہ کے ایک مشہور تاجر تھے۔ تجارتی امور میں آپؐ کی مہارت کے ساتھ ساتھ آپؐ کی امانت و دیانت کا ہر کوئی معترف تھا۔ عام تاریخی کتابوں سے جو یہ تأثر ابھرتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت خدیجہؓ نے گویا اپنا ملازم یا تجارتی کارندہ مقرر کیا تھا' بالکل غلط ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک خود مختار اور خوش حال تاجر تھے۔ آپؐ نے کسی تاجر کی ملازمت کبھی اختیار نہیں فرمائی"۔ (محمد کلیم ارائیں۔ سرورِ عالمؐ کے سفر مبارک۔ ص ۴۳)

اور' ہم نے تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی معاشی زندگی کے

موضوع پر قلم اسی لیے اٹھایا ہے کہ اس سلسلے میں پھیلائی جانے والی غلط فہمیوں کی گرد کو دھو ڈالیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق دے۔

کیا حضرت خدیجہؓ معاشی سہارا بنیں؟

ہم پہلے لکھ چکے ہیں کہ سیرۃُ النبی (صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم) کی کتابوں میں حضورِ اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی معاشی زندگی کا جو ہیولا بنتا ہے' وہ کچھ اس طرح ہے کہ ایک غریب ابنِ غریب (حضرت عبداللہؓ کے ترکے میں جو چیزیں دکھائی دیتی ہیں' ان سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ بھی کم غریب نہ تھے) صغر سنی میں اجرت پر بکریاں چَرا کر اپنا اور اپنے غریب چچا کا پیٹ پالتے رہے۔ میسرہ کے ساتھ سفرشام کیا تو معروف اجرت سے زیادہ کا مطالبہ کر کے یا زیادہ منافع ہونے کی وجہ سے طے شدہ اجرت سے دگنے معاوضے کے طور پر چار اونٹ لیے' اور بس! ایک آدھ سیرت نگار نے حضرت خدیجہؓ کے مزید مالِ تجارت کے ذریعے ایک ایک اونٹ مزید دلوا دیا۔ ورنہ' زیادہ تر حضرات حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کی زندگی بھر کی پہلی اور آخری کمائی وہی چار اونٹ قرار دیتے ہیں جو میسرہ کے ساتھ سفرِشام میں کی گئی تجارت کی اجرت کے طور پر ملے۔ کیونکہ اس کے بعد لکھا جاتا ہے کہ حضرت خدیجہؓ کے ساتھ شادی نے ان کے سارے مالی دُلدّر دور کر دیے اور پھر انھیں کمانے کی ضرورت ہی نہ تھی۔ یوں' سرکار صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم بیوی کے مال پر گزر بسر کرنے لگے۔ اعلانِ نبوت کے بعد ہمارے آج کل کے مولویوں کی طرح اِدھر اُدھر سے کھانا آ جاتا تو کھا لیتے تھے اور آج کل کے پیروں کی طرح ہدیے وصول کر کے گزارا کرتے تھے۔ ہجرتِ مدینہ کے بعد غنائم کا سلسلہ شروع ہوا تو پھر کمائی کے کسی اور ذریعے کی ضرورت نہ رہی۔

قارئین محترم سے التماس ہے کہ اپنے دل سے پوچھیں کہ اپنے اُمتیوں کو کما کر کھانے اور لوگوں کو کِھلانے کی ترغیب اور ہدایت دینے والے نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کی معاشی زندگی واقعی یہی تھی تو کیا آپؐ کے اسوۂ حسنہ کی پیروی میں ہمیں بھی ہاتھ توڑ کر نہیں بیٹھ رہنا چاہیے۔ مالدار بیواؤں کے ساتھ شادی کر کے عیش کرنے والے ہمارے اسلامی معاشرے کے اہم ترین اور نیک ترین افراد کیوں قرار نہ دے دیئے جائیں اور نکھٹو خاوندوں کی معاشرے میں سب سے زیادہ عزت و توقیر کیوں نہ کی جائے۔

حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کی معاشی زندگی کو اس آئینے میں پیش کرنے والے، بڑے بڑے محدثین، بڑے بڑے نامور سیرت نگار ہیں، اس لیے آج کا لکھنے والا محفوظ ترین راستہ یہ تلاش کرتا ہے کہ رٹی پٹی باتیں دُہراتا رہے۔ اس میں یہ فائدہ بھی ہے کہ محنت کی ضرورت نہیں، تفکّر و تدبّر کی حاجت نہیں، تحقیق و تفحّص کی سنگلاخ گھاٹیوں سے گزرنے کا تردّد نہیں کرنا پڑتا۔ الفاظ بدل کر، یا ایسی باتوں کو مزید بڑھا چڑھا کر بیان کر کے ایک نئی کتاب کا مصنف بن جانا زیادہ آسان ہے۔ اس میں صرف حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی توہین ہی ہوتی ہے نا، سو یہ کوئی ایسی بات نہیں۔ ان کے ذکرِ پاک میں اپنی عقیدت وارادت کا اظہار کافی ہے، القاب و آداب کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کا اسمِ گرامی لینا ہی بہت ہے۔

حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ سے نکاح کے بعد تو حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کے تمام معاشی معاملات سیدھے ہونے تھے، اس لیے بطورِ خاص یہ اہتمام کیا گیا کہ اس سے پہلے ان کے پاس کچھ نہ ہو۔ حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کی زندگی بھر کی پہلی اور آخری کمائی کے چار اونٹ بھی ہمارے بزرگوں کو یاد نہ رہے اور نکاح کا جو مہر باندھا گیا، وہ بھی ابوطالبؓ سے دلوایا گیا۔ ان محترم

بزرگوں کو یہ بھی یاد نہ رہا کہ وہ حضرت ابوطالبؓ کو تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے بھی زیادہ غریب اور مفلوک الحال قرار دیتے ہیں۔ بہرحال، زرقانی نے حضرت ابوطالبؓ کا جو خطبہ نکاح لکھا ہے، اس میں ہے کہ میں نے اپنے مال سے مہرِ موجل اور مہرِ معجل ادا کر دیا ہے۔ اور وہ ساڑھے بارہ اوقیہ سونا ہے۔ (فوق بلگرامی، سید اولادِ حیدر۔ اسوۃ الرسولؐ۔ جلد دوم۔ ص ۷۹) "روضۃ الاحباب" میں جو خطبہ نقل کیا گیا ہے، اس میں مہر بیس اونٹ ہے اور حضرت ابوطالبؓ کے الفاظ ہیں "میرے مال میں سے" (روضۃ الاحباب۔ اردو ترجمہ۔ ص ۳۱)

البتہ پیر محمد کرم شاہ الازہری نے "خاتم النبیین جلد اول، ص ۱۶۲ و دیگر کتب" کے حوالے سے جو خطبۂ ابوطالبؓ دیا ہے، اس میں مہر ساڑھے بارہ اوقیہ سونا ہے، اور یہ بات تحریر نہیں ہے کہ وہ حضرت ابوطالبؓ کے مال سے ہے۔ (ضیاءُ النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔ جلد دوم۔ ص ۱۳۶)

اگرچہ اس معاملے میں بھی وہ مشہور اختلاف موجود ہے جو سیرتِ پاک کے دوسرے واقعات میں جگہ جگہ نظر آتا ہے۔ (سید جمال حسینی محدث شیرازی نے ورقہ بن نوفل کے خطبہ کے حوالے سے کہا ہے کہ انھوں نے چار سو مثقال سونا مہر مقرر کیا تھا۔ روضۃ الاحباب۔ ص ۳۱۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے ساڑھے بارہ اوقیہ سونا لکھا ہے۔ مدارج النبوت۔ جلد دوم۔ ص ۷۹۔ "سیرتِ دحلانیہ" میں ہے۔ بیس اونٹ مہر مقرر ہوا۔ بعض نے کہا، ساڑھے بارہ اوقیہ سونا مقرر ہوا تھا، بعض نے چار سو دینار بتائے ہیں۔ ص ۳۰۸۔ ابنِ اثیر بارہ اوقیہ چاندی مہر بتاتے ہیں۔ مزید لکھتے ہیں کہ اوقیہ چالیس درہم کا ہوتا ہے۔ اسد الغابہ۔ جلد اول۔ ص ۱۸۔ ابنِ ہشام بیس جوان اونٹنیاں لکھتے ہیں۔ سیرتُ النبیؐ کامل۔ جلد اول۔ ص ۲۱۲۔ مدارجُ النبوت میں ایک روایت کے مطابق پانچ سو مثقال سونا اور ایک روایت کے مطابق بیس اونٹ مہر مقرر ہوا۔ جلد دوم۔ ص

۱۸۷)

جمال حسینی نے "روضۃ الاحباب" میں مختلف روایات کی تطبیق یوں کی ہے کہ اس وقت قیمت ' ۲۰ اونٹ ' برابر چار سو مثقال سونا ' برابر پانچ سو درہم ہو گی۔ (ص ۳۲) ایم ڈی فاروق ان روایات کو الگ الگ سمجھتے ہیں اور انھیں درست قرار دیتے ہیں۔ "آپ (صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم) نے شادی کے وقت سیدہ خدیجہؓ کو معقول مہر ادا کیا۔ یعنی بیس اونٹ اور پانچ سو درہم ' جو ان کے لیے قیمتی سہارا بن گئے"۔ (تاریخ محمد صلی اللہ علیہ و سلم۔ ص ۲۱۰)

میں عرض یہ کر رہی تھی کہ سیرت کی تمام مشہور اور بنیادی کتب میں نکاح کا مہر حضرت ابوطالبؓ نے ادا کر دیا۔ ولیمے کی بات آئی تو کسی نے لکھا کہ "خدیجہ نے اپنی باندیوں سے کہا ' دف بجائیں اور کہا اے محمد! (صلی اللہ علیہ و آلہٖ و سلم) اپنے چچا سے فرمایئے کہ اپنے اونٹوں میں سے ایک کو ذبح کریں اور لوگوں کو کھانا کھلائیں"۔ (روضۃ الاحباب۔ ص ۳۱) کسی نے اگر یہ ولیمہ چچا کے کھاتے میں نہیں بھی ڈالا ہے تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے زبردستی لیا ہے۔ "نکاح کے بعد حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ و آلہٖ و سلم جانے لگے تو حضرت خدیجہؓ نے عرض کی ' آپ کہاں جا رہے ہیں۔ آپ چل کر ایک یا دو اونٹ ذبح کرائیں اور لوگوں کو کھانا کھلائیں۔ چنانچہ آپؐ نے ایسا ہی کیا اور یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم کا پہلا ولیمہ تھا"۔ (سیرتِ دحلانیہ۔ ص ۳۱۰)

نکاح میں ایک اہم مرحلہ بعض بزرگوں کو یہ بھی نظر آیا کہ حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ و سلم کو جتنا غریب ثابت کیا جا چکا ہے ' اس کے بعد آسانی سے ان کا نکاح کرا دینا تو مناسب نہیں۔ شادی کے کپڑوں کا اہتمام کیسے کریں۔ چنانچہ انہوں نے اس مسئلے کا حل یوں نکالا کہ حضرت ابوبکرؓ نے حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ و سلم سے کوئی خدمت پوچھی۔ حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ و سلم نے انھیں

بتایا کہ شادی کے لیے موزوں کپڑے نہ اُن کے پاس ہیں' نہ حضرت ابوطالبؓ اور ان کے بھائی کے پاس ہیں۔ اس پر حضرت ابوبکرؓ نے کہا کہ حضرت عبدالمطلبؓ نے سونے کے ہزار دینار اور کچھ عمدہ کپڑے میرے سپرد کیے تھے اور وصیت کی تھی کہ جب محمد صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کو ضرورت پڑے تو ان کے حوالے کر دوں۔ اس طرح سونے کی بھری ہوئی تھیلی اور نو جوڑے نفیس کپڑوں کے' جس میں سے ہر ایک کی قیمت پانچ سو دینار تھی' حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کو ملے۔ (معارج النبوت۔ جلد دوم۔ ص ۱۸۵)

اب میں مُلّا معین واعظ کاشفی سے یہ تو پوچھ نہیں سکتی کہ جب حضرت عبدالمطلبؓ کا انتقال ہوا' اس وقت حضرت ابوبکرؓ کی عمر چھ سال تھی۔ پھر یہ واقعہ کیسے پیش آگیا۔ اپنے جوان اور ذمہ دار بیٹوں کی موجودگی میں یہ امانت چھ سال کے بچے کو کیوں سونپی گئی۔ حضرت ابوبکرؓ نے یہ امانت ۱۷ برس کیوں سنبھالے رکھی۔ اس امانت میں سلے سلائے جوڑے کس طرح اور کیوں تھے؟ پھر سونے کے ہزار دینار اور ساڑھے چار ہزار دینار کے کپڑے کیا ہوئے؟

کیونکہ دوسرے حضرات کی طرح مُلّا کاشفی بھی ترویجِ خدیجہؓ کی وجہ سے حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کے تمام معاشی مسائل حل ہو جانے کے قائل ہیں۔ لکھتے ہیں۔ "خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے خزانوں کے دروازے کھول دیئے اور وہ تمام آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کی مِلک اور ان پر قربان کر دیئے اور کہا' میں نہیں چاہتی کہ امورِ معیشت میں آپ میرے ممنونِ احسان رہیں۔ یہ تمام مال آپ کی ملکیت ہے اور میں آپ کی ممنونِ احسان رہوں گی۔ حضرت ابوطالبؓ اس کام سے بہت خوش ہوئے اور سیدِ عالم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کو فکرِ معاش اور ضبطِ مہمات سے مکمل طور پر فراغت ہو گئی"۔ (معارج النبوت۔ جلد دوم۔ ص ۱۸۸)

اب اس بات کو آگے چلایا جانے لگا۔ "حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے شادی ہو جانے کے بعد آپ (صلی اللہ علیہ و آلہٖ و سلم) کی فارغ البالی اور تمول میں کافی اضافہ ہو چکا تھا"۔ (خاتونِ پاکستان۔ رسولؐ نمبر۔ ۱۹۶۳۔ ص ۲۱۲۔ خالد وحید میمنی کا مضمون) بطورِ خاص نبیؐ کریم صلی اللہ علیہ و آلہٖ و سلم کی معاشی زندگی پر کتاب لکھنے والے ڈاکٹر صاحب نے تو ایک سرخی یہ جمائی ہے۔ "حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا سے نکاح اور آپ (صلی اللہ علیہ و آلہٖ و سلم) کی معاشی پریشانیوں کا علاج"۔ (نبیؐ کریم صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم کی معاشی زندگی۔ ص ۸۶) "عام الحُزن" کا ذکر کرتے ہوئے سرخی جماتے ہیں۔ "آپ (صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم) کے دو معاشی سہارے چھن گئے"۔ (نبیؐ کریم صلی اللہ علیہ و آلہٖ و سلم کی معاشی زندگی۔ ص ۱۰۷) متن میں انہوں نے حضرت خدیجہ کو معاشی خوشحالی کا اور حضرت ابوطالبؓ کو غیرت مندانہ فقر کا سہارا قرار دیا ہے۔ (نبیؐ کریم صلی اللہ علیہ و آلہٖ و سلم کی معاشی زندگی۔ ص ۱۰۸)

سیرت پر کام کرنے والے جن لوگوں کو کچھ احساس ہوا بھی ہے، انھیں بھی بڑے بڑے نام کچھ کہنے نہیں دیتے۔ پروفیسر خالد علوی نے "بعد از نبوت مکی زندگی" کے حوالے سے کہا۔ "اس ہمہ وقتی کام کے باعث ابتدائی برسوں میں وہ پونجی کام آتی رہی جو آپ (صلی اللہ علیہ و آلہٖ و سلم) نے بذریعۂ تجارت اکٹھی کی تھی یا حضرت خدیجہؓ کی ملکیت تھی"۔ (دو ماہی "اسلامی تعلیم" لاہور۔ جنوری فروری ۱۹۷۳۔ ص ۱۴۱۔ مضمون "آنحضور صلی اللہ علیہ و سلم کی سیاسی و معاشرتی زندگی" از خالد علوی)

ضیاء الدین کرمانی نے اپنی انگریزی کتاب "دی لاسٹ میسنجر وِد دی لاسٹنگ میسیج" میں البتہ لکھا ہے۔ "یہ بات کچھ کھٹکتی ہے کہ رسولِ اکرم (صلی اللہ علیہ و آلہٖ و سلم) کے سیرت نگاروں نے بالعموم آپؐ کی مفروضہ مفلسی اور

ناداری اور خاص طور پر حضرت خدیجہؓ کے ساتھ نکاح سے پہلے آپؐ کی کمزور مالی حالت پر بڑا زور دیا ہے۔ حتیٰ کہ انھوں نے آپؐ کے ایک مبینہ قول "اَلفقرُ فخری" (غریبی پر مجھے فخر ہے) کو خوب مشتہر کر کے آپؐ کی مفروضہ مفلسی و ناداری کو بھی ایک خوبی بتایا ہے۔ اس نام نہاد "حدیث" کو علامہ ابن تیمیہ اور مُلّا علی القاری جیسے محدثین نے محض مَن گھڑت قرار دیا ہے۔ مُلّا علی القاری لکھتے ہیں۔ "جہاں تک حدیث "الفقر فخری" اور یہ کہ اس پر آپؐ کے فخر کرنے کا تعلق ہے، تو یہ سب بے بنیاد باتیں ہیں جیسا کہ العسقلانی اور دوسرے معتبر محدثین (الحفاظ) نے وضاحت کی ہے"۔ المرقاۃ۔ جلد ۱۰۔ ص ۱۲۔ یہاں یہ بات قابلِ غور ہے کہ قرآن میں مال و دولت کا ذکر اس طرح کیا گیا ہے۔ "تمہارے اموال جنہیں اللہ نے تمہارے لیے بڑا سہارا (قیاما) بنایا ہے"۔ النسا: ۵۔ ناداری اور مفلسی کی بابت یہ کہا ہے کہ "شیطان تم سے مفلسی و ناداری کا وعدہ کرتا ہے"۔ البقرۃ۔ ۲۶۸۔ اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے ابتدائی سورتوں میں سے ایک سورۃ میں مال و دولت کو اپنا فضل و انعام قرار دیا ہے۔ "ہم نے تجھے تنگ دست پایا، پھر ہم نے تجھے خوش حال اور غنی کر دیا"۔ الضحیٰ: ۸۔ اب یہ بات بہت بعید از قیاس معلوم ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کا اشارہ یہاں آپؐ کے اپنے اموال اور دولت کے بجائے آپؐ کی زوجہ خدیجہؓ کی دولت کی طرف ہو۔ (ماہنامہ فیض الاسلام راولپنڈی۔ ستمبر ۱۹۹۳۔ ص ۲۵۔ ضیاء الدین کرمانی کی کتاب کا اقتباس۔ ترجمہ از اختر ہاشمی)

غلام احمد پرویز بھی لکھتے ہیں۔ "عام طور پر سمجھا جاتا ہے کہ آپ (صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم) کی مکی زندگی بڑی عُسرت اور تنگدستی کی تھی لیکن یہ درست نہیں۔ قرآنِ کریم حضور (صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم) کو مخاطب کر کے کہتا ہے کہ "وَوَجَدَکَ عَآئِلاً فَاَغنیٰ" ۹۳: ۸۔ ہم نے تجھے تنگ دست پایا تو غنی

کر دیا۔ اس سے ظاہر ہے کہ حضور (صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم) کی وہ زندگی ایک غنی کی زندگی تھی۔ یعنی ایسی زندگی جس میں آپؐ کو اپنی ضروریات کے لیے کسی کا محتاج نہیں ہونا پڑتا تھا"۔ (پرویز۔ معراجِ انسانیت۔ ص ۳۶۰)

اگر حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کے نکاح کے بعد آپؐ کا معاشی مسئلہ حل ہو گیا ہوتا اور حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے ہوتے تو تجارت پیشہ عرب معاشرے میں آپ کی کوئی عزت و تکریم نہ ہوتی۔ جبکہ اس حقیقت کو سبھی تسلیم کرتے ہیں کہ حجرِ اسود کی تنصیب کے موقع پر جو بہت بڑا جھگڑا اٹھا تھا' اس کے لیے حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کو بطیبِ خاطر ثالث تسلیم کیا گیا اور سب کی طرف سے۔ آپ صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کو "امین" کہہ کر سب قبائل کے سرکردہ لوگوں نے خوشی کا اظہار کیا تھا کہ آپ کا فیصلہ سب کو منظور ہو گا' اور یہی ہوا۔ "امین" کی بحث آگے آئے گی جس سے ظاہر ہو گا کہ "امین" غریب ہو ہی نہیں سکتا۔

ہمارے بیشتر سیرت نگار حضرات حضرت خدیجہؓ کو حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کا معاشی سہارا کہہ کر جو کچھ ثابت کر رہے ہیں' وہ کسی معاشرے میں لائقِ عزت نہیں ہوتا۔ اگر نعوذ باللہ حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم اپنی زوجۂ محترمہ کے مال پر گزارا کرتے تو معاشرے میں کوئی عزت نہ پا سکتے اور جب آپ صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم نے اعلانِ نبوت فرمایا اور آپؐ کی مخالفت میں قسم قسم کی باتیں کی جانے لگیں تو کوئی نہ کوئی دشمنِ اسلام یہ طعنہ ضرور دیتا کہ بیوی کی روٹیوں پر گزارا کرنے والا نبی کیسے ہو سکتا ہے۔

پھر کوئی سیرت نگار ایسی کوئی مثال بھی تو سامنے لائے کہ فلاں معزز شخص اس زمانے میں خود کچھ نہیں کماتا تھا' بیوی کی کمائی پر گزر اوقات کرتا تھا' اور کسی طرح کسی حیثیت میں کوئی عزت بھی کماتا تھا۔ جب ایسی کوئی اور مثال

سامنے نہیں ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر کوئی کافر بھی اس قسم کی طعنہ زنی نہیں کرتا تو ہمارے سیرت نگار کس بنیاد پر آپؐ پر یہ الزام لگاتے ہیں۔

آج کے زمانے میں، جب عورت کا کمانا بھی ضرورت بنتا جا رہا ہے اور ہمارے ماحول میں بھی بہت سی عورتیں شریفانہ گزر اوقات کے لیے ملازمت یا کاروبار کرتی ہیں، جو شخص محض عورت کی کمائی پر رہے، اسے نکھٹو کہتے ہیں اور وہ کسی سطح پر عزت نہیں پا سکتا۔ پھر اس زمانے کے عرب میں تمام زمانوں کی عظیم ترین ہستی پر یہ تہمت تراشنے کی کیا ضرورت ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا کوئی امتی کیا یہ کہنے کی جسارت کر سکتا ہے یا اس بات میں حقیقت کی کوئی رمق موجود ہو سکتی ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام جو حکم دوسروں کو دیتے ہوں، خود اس پر عمل نہ فرماتے ہوں۔ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کی حیاتِ طیبہ کو تو مسلمانوں کے لیے نمونہ قرار دیا گیا ہے۔ ایسے میں ہم خطبۂ حجۃ الوداع میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے اس ارشادِ گرامی کو کیوں پیش نظر نہیں رکھتے کہ تم پر بیویوں کا حق ہے۔ ان کی روٹی، کپڑا دستور کا مطابق تمہارے ذمے ہے۔ (صحیح مسلم شریف۔ کتابُ الحج باب حجۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔ حضرت جابرؓ بن عبداللہ کی روایت کردہ طویل حدیث)

سُننِ ابوداؤد میں ہے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا، جب تو کھانا کھائے تو اپنی بیوی کو بھی کھلا اور جب تو کپڑا پہنے تو اس کو بھی پہنا"۔ (سُننِ ابو داؤد۔ کتاب النکاح۔ باب فی حق المراۃ علٰے زوجھا۔ حدیث نمبر ۲۱۴۳) اس سے واضح ہے کہ مرد پر عورت کا نان نفقہ واجب ہے۔ یہ ذمہ داری مرد پر ہے کہ وہ عورت کے اخراجات کا انتظام کرے۔ کسی حدیثِ پاک میں ایسی کوئی ذمے داری عورت پر نہیں ہے کہ وہ مرد کو کما کر کھلائے۔ پھر یہ کیسے

ممکن ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم نے اہلِ ایمان پر تو اپنی بیویوں کا نان نفقہ واجب قرار دیا ہو اور اپنے لیے یہ صورت پسند کرلی ہو کہ بیوی کے مال پر گزارا کریں۔

بخاری شریف میں حضرت ابو مسعودؓ سے روایت ہے' حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم نے فرمایا کہ مرد خالص خدا کی رضامندی کے لیے اپنی بیوی پر خرچ کرے تو وہ خرچ کرنا اس کے لیے خیرات کا حکم رکھتا ہے۔ (بخاری بحوالہ اُسوۂ حسنہ۔ حصۂ سوم۔ حقوقُ العباد۔ از بنت الاسلام۔ ص ۳۷) اس کا مطلب یہ ہے کہ مرد کا عورت پر رضائے الٰہی کی نیت سے خرچ کرنا خیرات کا ثواب بھی دلاتا ہے۔ لیکن دیکھنا چاہیے کہ اگر مرد کمانے کے قابل نہ ہو تو کماؤ بیوی کا مرد پر خرچ کرنا کیا حیثیت رکھتا ہے۔

حضرت زینبؓ بنتِ ابی معاویہ' حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی بیوی تھیں۔ حضرت عبداللہ کا کوئی ذریعۂ معاش نہیں تھا۔ حضرت زینبؓ دستکار تھیں' کما کر اپنے خاوند پر خرچ کر دیتی تھیں۔ حضرت زینب نے ایک اور انصاری عورت کے ساتھ کہ انھیں بھی یہی مسئلہ درپیش تھا' حضرت بلالؓ کے ذریعے حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم تک یہ گزارش پہنچائی کہ ہم صدقہ کرنا چاہتی ہیں۔ اگر اجازت ہو تو اپنے خاوندوں پر صدقہ کی رقم خرچ کر دیں۔ آقا حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم نے فرمایا' انھیں دُہرا ثواب ملے گا' ایک قرابت کا' ایک صدقے کا۔ (اُسُدُ الغابہ۔ جلد ۱۰۔ ص ۱۳۱ / سِیَرُ الصحابہ۔ جلد ۱۱۔ اسوۂ صحابیات از عبدالسلام ندوی۔ ص ۱۲'۳۶ / نیاز فتحپوری۔ صحابیات۔ ص ۲۲۰ / طالب الہاشمی۔ تذکارِ صحابیات۔ ص ۳۳۷'۳۳۸)

یعنی اگر مرد عورت پر خرچ کرے تو خیرات ہے اور عورت مرد پر خرچ کرے تو صدقہ ہے ---- اور' میرے آقا' حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ و آلہٖ

وسلم اور آپؐ کے اہلِ بیت کے لیے صدقہ جائز نہیں تھا۔ بہز بن حکیم اپنے والدِ گرامی کے واسطے سے اپنے دادا سے راوی ہیں کہ رسولِ کریم علیہ السلام نے فرمایا' صدقہ نہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے حلال ہے اور نہ ہی آلِ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کے لیے۔ (الوفا باحوالِ المصطفیٰ۔ اردو ترجمہ از محمد اشرف سیالوی۔ ص ۶۳۶) آپ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) نے اپنے خاندان والوں کے لیے صدقہ حرام قرار دیا تھا۔ (بخاری۔ کتاب الصدقہ۔ باب ما یذکر فی صدقۃ النبیؐ) بخاری شریف ہی میں حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ حضرت حسنؓ نے صدقہ کی ایک کھجور اپنے منہ میں رکھ لی تو حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا۔ کھجور پھینک دو۔ کیا تمہیں یہ بات نہیں معلوم کہ ہم لوگ صدقہ نہیں کھاتے۔ (بخاری۔ ایضاً" / راجا رشید محمود۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور بچے۔ ص ۴۸ / ماہنامہ "صدائے اسلام" پشاور۔ صفر المظفر ۱۴۰۰ھ۔ ص ۱۸)

جو لوگ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تشریف آوری سے قبل لوگوں کو آپؐ کی آمد کی بشارت دیتے تھے' وہ بھی ایک خصوصیت یہ بیان کرتے تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہدیے اور تحائف تو قبول فرمالیں گے مگر صدقے کا مال نہیں کھائیں گے۔ (الوفا باحوالِ المصطفیٰؐ۔ ص ۷۳)

ابوالوفا علامہ ابنِ عقیل فرماتے ہیں کہ صدقہ رسالت مآب علیہ افضل الصلوات پر اس لیے حرام کیا گیا ہے کہ وہ مرحمت کے قبیل سے ہے جو کہ مسکنت کا اور لوگوں کی دست نگری کا مقتضی ہے' لہٰذا خانوادۂ نبوت کو اس سے محفوظ کر دیا گیا کہ ان کے ہاتھوں پر کسی کا ہاتھ بلند ہو۔ (الوفا۔ ص ۶۳۶) اس وضاحت کے پیشِ نظر اندازہ فرمائیں کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو حضرت خدیجہ کا دست نگر دکھایا جائے تو کیا صورت بنتی ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام صدقہ نہیں لیتے تھے اور بیوی کے مال کی ایک حیثیت خاوند کے لیے صدقے کی ہوتی ہے' اس لیے حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم اپنی زوجۂ محترمہ کا مال استعمال ہی نہیں کر سکتے تھے۔ آپؐ تو صدقہ دیا کرتے تھے۔ "روضۃ الاحباب" میں ہے۔ "آپؐ بہت زیادہ صدقہ دیا کرتے تھے اور صدقۂ فطر عید کی نماز سے قبل ادا فرماتے اور مساکین کو دیتے تھے"۔ (رسالتمآبؐ۔ ص ۳۳۶) ابنِ قیم جوزی لکھتے ہیں۔ "آپؐ نے اللہ کی راہ میں اپنی ایک زمین وقف کی اور مسلمانوں کے لیے اس کی آمدنی صدقہ کر دی تھی"۔ (ابنِ قیم جوزی۔ اُسوۂ حسنہ۔ حدی الرسولؐ کا اردو ترجمہ از عبدالرزاق ملیح آبادی۔ ص ۱۱۱' ۱۱۲)

ان حالات میں حضرت خدیجہؓ کو حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کا معاشی سہارا قرار دینا سیرت نگار حضرات کی زیادتی نہیں تو کیا ہے۔

تجارت کے اسلامی اصول اور شارعِ اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام

جو قوم (قومیں) تجارت یا محنت چھوڑ دیتی ہے' وہ دوسروں کے سہارے کی محتاج ہو کر رہ جاتی ہیں اور دوسری اقوام ان پر غالب آ کر نہ صرف تہذیب و تمدن' معیشت و سیاست پر قابض ہو جاتی ہیں بلکہ مذہب کو بھی دبا دیتی ہیں۔ جیسا کہ ہندوستان ایسے بڑے ملک کی مثال ہمارے سامنے ہے۔ انگریز تجارت کی راہ سے ہی یہاں آ کر قابض ہوا اور ہمیں ذلیل و رسوا ہونا پڑا۔ ("فاروقِ اعظمؓ" مرتبہ محمد مُحبُّ اللہ نُوری۔ ص ۲۴۔ مضمون "اسلام میں محنت کی عظمت" از محمد ارشد)

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم نے اپنے ارشاداتِ عالیہ اور

فرمودات گرامی کے ذریعے اور اپنے عمل کریمہ کے ذریعے مسلمانوں کو رزقِ حلال، کسبِ رزق اور تجارت کی راہ دکھائی۔ حضور رسولِ کریم صلی اللہ علیہ و سلم کا ارشاد گرامی ہے۔ طَلَبُ الْحَلَالِ وَاجِبٌ عَلٰی کُلِّ مُسْلِمٍ یعنی رزقِ حلال کی تلاش ہر مسلمان پر فرض ہے۔ (ماہنامہ "الجامعہ" جامعہ محمدی شریف جھنگ۔ جنوری فروری ۱۹۷۹۔ ص ۱۳۔ مضمون "حضور صلی اللہ علیہ و سلم اور اقتصادیات") پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ آقا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خود رزقِ حلال کی تلاش میں کوئی کوشش نہ کی ہو اور بیوی کے مال پر، ہدایا پر اور غنائم پر زندگی گزار دی ہو۔ کوئی ایسی مثال موجود نہیں کہ میرے سرکار صلی اللہ علیہ و آلہٖ و سلم نے دوسروں کو جو حکم دیا ہو، خود وہ کام نہ کیا ہو۔

ایک حدیثِ پاک میں ہے، حضور رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ و سلم نے فرمایا، حق تعالیٰ ان مومنوں کو دوست رکھتا ہے جو کوئی پیشہ اختیار کر کے روزی کماتے ہیں۔ (ماہنامہ "فکر و نظر" اسلام آباد۔ جولائی اگست ۱۹۷۹۔ مضمون "مفت خوری اور کسبِ حلال" از میاں محمد سعید جھنڈیر۔ ص ۵۴) کیا یہ حقیقت ہو سکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ اس ہستی کو اپنا محبوب بنا لے جس کے آبا و اجداد تو تجارت کے پیشے سے منسلک ہوں لیکن وہ خود اپنی زوجۂ محترمہ کی کمائی پر بیٹھ رہیں۔

حضرت مقدامؓ سے روایت ہے کہ رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ و آلہٖ و سلم نے فرمایا، تم میں سے جو اپنے ہاتھ سے کام کر کے کھاتا ہے، وہی سب سے بہتر کھانے والا ہے۔ (بخاری شریف۔ باب البیوع) اس صورت میں حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ و سلم کے ہاتھ توڑ کر بیٹھ رہنے کی بات کرنا کیسا ہے؟

سُنَنِ ابنِ ماجہ، ترمذی، نسائی، منذری میں حضرت انسؓ بن مالک سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ و سلم نے ایک مفلوک الحال انصاری

کے گھر کا سارا سامان منگوایا جو ایک چادر اور ایک پیالے پر مشتمل تھا۔ یہ چیزیں دو درہموں میں بک گئیں۔ آپؐ نے اس قیمت میں ایک کلہاڑی منگوائی' اس میں اپنے دستِ مبارک سے دستہ ڈالا اور اسے لکڑیاں کاٹ کر بیچنے کی ہدایت فرمائی۔ (سُنَنِ ابنِ ماجہ۔ کتاب التجارات۔ باب بیع المزایدہ / نقوش۔ رسولؐ نمبر۔ جلد ۷۔ ص ۱۰۶' ۱۰۷ / ماہنامہ "فکر و نظر" اسلام آباد۔ جون ۱۹۷۸۔ مضمون "اسلام میں معاشرتی بہبود" از (ڈاکٹر) محمد یوسف گورایہ۔ ص ۴۴' ۴۵ / ماہنامہ "عرفات" لاہور۔ مارچ ۱۹۷۷۔ عیدِ میلادُ النبیؐ نمبر۔ ص ۲۵۔ مضمون "پیغمبرِ دو جہاںؐ۔ محنت کشوں کے والی" از جی اے حق محمد) حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ و سلم تو اپنے نام لیواؤں کو گھر کا سامان بیچ کر تجارت کی ترغیب دیتے تھے' مفت خوری کے خلاف تھے' دوسروں کو معاشی جدّوجُہد پر اُکساتے تھے' دوسروں کی امداد پر گزر بسر کرنے کی ممانعت فرماتے تھے۔ (کتبِ حدیث میں حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ و آلہٖ و سلم کے وہ ارشادات موجود ہیں جن میں اس طرزِ عمل کی مذمت کی گئی ہے جس سے انسان معاشی تگ و دو کی بجائے دوسروں کی امداد پر گزر بسر کرنے کا عادی ہو جاتا ہے۔ (ماہنامہ "فکر و نظر" اسلام آباد۔ مارچ ۱۹۸۴۔ مضمون "رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ و سلم کی معاشی تعلیمات پر ایک نظر" از ڈاکٹر خالد علوی۔ ص ۵) ----- پھر' ہمارے محترم سیرت نگاروں نے کس دل گردے سے حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ و سلم پر یہ گمان کیا کہ آپ (صلی اللہ علیہ و آلہٖ و سلم) خود یہ سب کچھ کرنے کے بجائے مولویوں اور پیروں کی طرح زندگی گزارتے ہوں گے۔ اسلام نے حصولِ معاش کے جو اصول و ضوابط اور جو طریقے بتائے ہیں' حضور شارعِ اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام ان سے صَرفِ نظر کیسے کر سکتے تھے۔

حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ و سلم صادق اور امین کیوں مشہور ہوئے؟

سب جانتے ہیں کہ آقا حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم صادق اور امین مشہور ہو گئے۔ (طبقاتِ ابنِ سعد۔ حصہ اول۔ اخبارُ النبیؐ۔ ص ۲۲۵ / محمد میاں، سید۔ سیرتِ مبارکہ محمدؐ رسول اللہ قرآن اور تاریخ کے آئینہ میں۔ ص ۴۹ / سیرتُ الرسولؐ من القرآن۔ ص ۹۰، ۹۱ / محمد حسین ہیکل۔ حیاتِ محمدؐ۔ ص ۱۳۲، ۱۳۳ / نقوش۔ رسولؐ نمبر۔ جلد ۱۱، ص ۴۷ / سیرتِ سرورِ عالمؐ۔ جلد دوم۔ ص ۱۱۸ / تاجدارِ حرم۔ ص ۴۹) اس سلسلے میں سیرت نگار حضرات نے حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کی صداقت کے بارے میں کچھ زیادہ گفتگو کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کی کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے زیادہ سچا کون ہو سکتا ہے۔ "امین" کہلانے کے متعلق مختلف حضرات نے مختلف توجیہات پیش کی ہیں۔ مثلاً ابنِ سعد لکھتے ہیں "جواں مردی میں تمام قوم سے افضل، خلق میں سب سے اچھے، اختلاط و معاشرت میں سب سے شریف تر، باتیں کرنے میں سب سے بہتر، حلم و امانت میں سب سے بڑے، تکلم میں سب سے سچے، فحش و اذیت میں سب سے دور و نفور تھے۔ نہ کبھی گالی گلوچ یا بدکلامی کرتے دیکھے گئے، نہ کسی سے لڑتے جھگڑتے یا کسی پر شبہہ کرتے پائے گئے۔ ایسی اچھی اچھی خیر و صلاح کی عادتیں اللہ تعالیٰ نے آپؐ کی ذات میں جمع کر دی تھیں کہ قوم نے آپ کا نام ہی "الامین" رکھ دیا"۔ (طبقاتِ ابنِ سعد۔ حصہ اول۔ اخبار النبیؐ۔ ص ۱۸۵)

آپ محسوس فرما رہے ہیں کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کی جو صفاتِ کریمہ محمد ابنِ سعد نے بیان فرمائی ہیں، وہ سب سچی ہیں لیکن ان میں سے کسی صفت کی بِنا پر پورے معاشرے کا سرکار صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کو "امین" پکارنا، کیا معنیٰ!۔

موسیو سیریو اپنی کتاب "تاریخِ عرب" میں لکھتے ہیں کہ "جب حضرت محمد (صلی اللہ علیہ و آلہٖ و سلم) کی عمر پچیس سال کی ہوئی تو آپؐ لوگوں سے خوش خُلقی اور حُسنِ سلوک سے پیش آنے کی وجہ سے اس بات کے اہل قرار پائے کہ آپؐ کو قوم کی طرف سے امین کا لقب دیا جائے"۔ (محمد رضا' شیخ۔ محمدؐ رسول اللہ۔ ص ۷۰) مسٹر مویر بھی اخلاقی عظمت کو اس لقب کا باعث قرار دیتے ہیں۔ (محمد رضا' شیخ۔ محمدؐ رسول اللہ۔ ص ۷۰)

سید فضل الرحمان کہتے ہیں کہ تجارت میں لوگوں کے ساتھ معاملات پیش آنے کی وجہ سے حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ و سلم کی امانت و دیانت' راست بازی و حُسنِ معاملہ اور پاکیزہ اخلاق کی شہرت دن بدن (روز بروز) بڑھتی گئی۔ یہاں تک کہ لوگ آپ (صلی اللہ علیہ و آلہٖ و سلم) کو الصادق اور الامین؛ کے القاب سے پکارنے لگے۔ (ہادیٔ اعظمؐ۔ ص ۹۴)

ڈاکٹر محمد حمید اللہ لکھتے ہیں کہ رسولِ اکرم (صلی اللہ علیہ و آلہٖ و سلم) کے پاس مشرکینِ مکہ کی جو امانتیں تھیں' وہ مناظر احسن گیلانی کے گمان میں مضاربت کے اصول پر نفع اور تجارتی حصہ داری سے متعلق ہوں گی۔ (سہ ماہی "فکر و نظر" اسلام آباد۔ جولائی ستمبر ۱۹۸۵۔ ص ۵۸۔ مضمون "حضرت علی بن ابی طالب" از ڈاکٹر محمد حمید اللہ) ڈاکٹر صاحبزادہ ساجد الرحمٰن تجارت میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طبعی شرافت و دیانت کو صادق و امین کے ناموں کی وجہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ "مکہ کے رؤسا اپنی امانتوں کی حفاظتوں کے لیے آپؐ کے آستان سے زیادہ کسی مقام کو مامون نہیں پاتے تھے"۔ (ساجد الرحمان۔ سیرت الرسولؐ۔ ص ۱۲' ۱۳)

سوامی لکشمن پرشاد کہتے ہیں۔ "تجارتی معاملات میں آپ (صلی اللہ علیہ و آلہٖ و سلم) کی راست بازی اور صداقت شیوگی شہر کے لوگوں میں ضرب

المثل بن گئی تھی۔ ان ہی اوصافِ حسنہ سے متاثر ہو کر اس متمرّد قوم نے بھی' جس نے کبھی کسی کی سیادت تسلیم نہیں کی تھی' آپؐ کو الامین اور الصادق کا خطاب دے کر آپؐ کی مابہ الامتیاز خوبیوں کو اپنی عقیدت کا خراج ادا کیا"۔ (لکشمن پرشاد۔ عرب کا چاندؐ۔ ص ۸۷) اور سید سلیمان ندوی نے لکھا ہے۔ "قریش کے لوگ ہمارے حضرت (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کی خوش معاملگی' دیانت داری اور ایمانداری پر اتنا بھروسا کرتے تھے کہ بے تامل اپنا سرمایہ آپؐ کے سپرد کر دیتے تھے۔ بہت سے لوگ اپنا روپیہ پیسہ آپؐ کے پاس امانت رکھواتے تھے اور آپ کو امین یعنی امانت والا کہتے تھے"۔ (سلیمان ندوی' سید۔ رحمتِ عالمؐ۔ ص ۱۹)

آپ محسوس فرما رہے ہیں نا' کہ ایک سیدھی سی بات کو بعض حضرات نے اس انداز میں بیان کیا ہے کہ بات کہیں سے کہیں جا پہنچتی ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ان معنوں میں تو بہت سوشل ہوں گے کہ لوگوں کی مدد فرماتے ہوں گے' لوگوں کے کام آتے ہوں گے' غریبوں مسافروں کے ساتھ بھلائی کرتے ہوں گے۔ لیکن آپؐ ان معنوں میں سوشل کبھی نہیں رہے کہ لہو و لعب کی مجلسوں میں شریک ہوئے ہوں' بُت پرستی کی اس وقت کی "مذہبی" تقریبات میں شامل ہوئے ہوں' لڑائی جھگڑا جو عرب قبائل اور ان قبائل کے نامور اور غیر معروف' سب افراد کا تخصص تھا' اس میں کوئی حصہ لیا ہو۔

جو ہستی ایک معاشرے کے "مقدس" کاموں میں' مشہور تقریبات میں' معروف لڑائیوں میں شریک نہ ہو' اگر وہ تجارت میں بھی نام نہ کمائے تو لوگ اس کی طرف کیسے متوجہ ہو سکتے ہیں' لوگ اسے اچھا کیسے سمجھ سکتے ہیں' لوگ اسے اچھے القابات و خطابات سے کیوں یاد کریں گے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے صادق اور امین ہونے کی ایک ہی وجہ ہو سکتی ہے کہ آپؐ نے تجارت میں نام کمایا ہو' اس میں سچائی' راست بازی اور امانت و دیانت کے یوں جھنڈے گاڑے ہوں کہ پورے معاشرے میں ان جیسا کوئی دوسرا دکھائی نہ دیتا ہو۔ جب حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم تجارت کے لیے جاتے ہوں' لوگ اپنا مال' اپنا پیسہ آپؐ کی تحویل میں دے کر مطمئن ہو جاتے ہوں گے کہ یہاں نہ پیسہ ضائع ہو گا' نہ سامانِ تجارت کی خرید و فروخت سے منافع کم ہو گا۔ لیکن میں سمجھتی ہوں کہ محض تجارت میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ناموری کے باعث "امین" لقب نہیں پڑا۔ اور امانتیں حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کے پاس رکھوانے کی بات سے بھی کردار کی وضاحت نہیں ہوتی۔

حقیقت یہ ہے کہ اس زمانے میں بینک وغیرہ تو تھے نہیں۔ مکہ والے تجارت پیشہ تھے اور یہ تجارت سال بھر ہوتی بھی نہیں تھی۔ مختلف موقعوں پر مختلف شہروں میں جو تجارتی منڈیاں لگتی تھیں' ان میں تجارت کی جاتی تھی۔ سال میں دو مرتبہ بیرونِ ملک تجارتی سفر ہوتے تھے۔ کبھی کبھی سال میں دو سے زیادہ بار بھی ایسا ہوتا ہو گا لیکن جب تاجروں کا پیسہ کاروبار میں نہیں لگا ہوتا تھا' ان دنوں اس کی حفاظت بہت بڑا مسئلہ تھا اور اس مسئلے کا واحد حل یہ تھا کہ حضرت عبدالمطلبؓ کے پوتے' حضرت عبداللہؓ کے فرزندِ دلبند' حضرت ابوطالبؓ کے بھتیجے اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کی دیانت و امانت کی شہرت کی وجہ سے سب لوگ اپنا روپیہ' زیور اور قیمتی اشیاءِ تجارت آپؐ کے پاس امانتاً رکھوا دیتے ہوں گے۔

اس سلسلے میں اہلِ مکہ کا' اور ہو سکتا ہے کہ مکہ کے باہر کے تاجروں کا بھی حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم پر ایمان اتنا پختہ تھا کہ جان کے دشمن ہوتے

ہوئے بھی اپنی امانتیں واپس نہیں لیتے تھے۔ کوئی ایسی مثال نہیں ملتی کہ اس دشمنی کا یہ نتیجہ بھی نکلا ہو کہ انھوں نے اپنی امانتیں واپس لے لی ہوں۔ وہ تو ہجرت کے بعد حضرت علیؓ نے واپس کی تھیں۔

مجھے بتایئے، کبھی کسی سرمایہ دار نے، تجارت پیشہ فرد نے، ثروت مند آدمی نے اپنی رقم، اپنی قیمتی اشیا کسی ایسے شخص کے پاس امانت کے طور پر رکھوائی ہیں جو غریب ہو، مفلوک الحالی اور عُسرت کا شکار ہو۔ غریب آدمی کی عزت کی جا سکتی ہے، اسے لڑائی جھگڑوں میں ثالث یا حکم بنایا جا سکتا ہے، اس کی شرافت پر اعتماد کیا جا سکتا ہے، یہ بھی ممکن ہے کہ آپ اس کے علم و دانش کی وجہ سے اسے صدارت یا امارت کی کسی کرسی پر بٹھا دیں، لیکن یہ نہیں ہو سکتا کہ آپ اپنی امانتیں اس کے سپرد کر دیں۔ ہر آدمی سوچتا ہے کہ اگر یہ رقم یا یہ قیمتی اشیا غریب آدمی کے ہاں سے چوری ہی ہو گئیں تو ہم کلیم کہاں داخل کریں گے، عُسرت زدہ شخص کہاں سے یہ ادائی کر سکے گا۔

قیمتی چیزیں، اور مال و دولت اسی کے سپرد کی جا سکتی ہے جس کی معاشرے میں اتنی عزت و تکریم ہو کہ اس کے ہاں چوری کا خطرہ نہ ہو اور اگر چوری ہو جائے تو امانت دار کی مالی پوزیشن اتنی مضبوط ہو کہ وہ یہ خسارا اپنے پاس سے پورا کر سکتا ہو۔ امانتیں رکھنے والا بھی اگر مالی طور پر اتنا مستحکم نہ ہو کہ کسی کی امانت میں متوقع نقصان پورا نہ کر سکے تو وہ امانت کبھی نہیں رکھتا۔

چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی یہ ایک صفت ہی اس حقیقت پر بُرہانِ قاطع کی حیثیت رکھتی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم معاشرے کی امیر ترین ہستی تھے اور جتنی امانتیں لوگ آپؐ کے پاس رکھواتے تھے، ان سب کی مجموعی مالیت سے زیادہ حیثیت حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تھی کہ خدا نخواستہ سب امانتیں بھی ضائع ہو جاتیں تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سب کا

نقصان پورا کر سکتے تھے۔

دوسرے لوگ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا مالِ تجارت لے جاتے تھے

یہ بات تو سیرتِ طیبہ کی کتابوں میں موجود ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے میسرہ اور خزیمہ کے ساتھ حضرت خدیجہؓ الکبریٰ کا مالِ تجارت لے کر شام کے سفر پر گئے۔ کچھ مزید اسفارِ تجارت کا ذکر ادھر ادھر بکھرا ہوا ملتا ہے لیکن اس سے جو یہ تأثر پیدا ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہی تجارت کے سفروں پر جاتے رہے اور اپنا اور دوسروں کا سامان تجارت لے جاتے رہے' یہ پُوری طرح درست نہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی حیاتِ پاک میں کسی موقع پر بھی اپنے تجارتی پیشے سے صرف نظر نہیں کیا۔ کبھی خود بھی تشریف لے گئے لیکن کبھی دوسرے تجارتی کاروانوں کے ساتھ اپنا سامانِ تجارت بھیج دیتے تھے۔ اور اعلانِ نبوت کے بعد تو سرکار صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم خود کم سے کم کسی تجارتی سفر پر گئے ہیں اور اس کو تبلیغ اسلام کے ذریعے کے طور پر بھی استعمال کیا ہے۔ مدینۂ کریمہ تشریف لے جانے کے بعد تو مملکت کے امور انجام دینے میں آپ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) اتنے مصروف ہوتے تھے کہ تجارت کی طرف یوں متوجہ ہو ہی نہیں سکتے تھے جتنی توجہ اس کے لیے درکار ہوتی ہے۔ اس لیے آپؐ کے امورِ تجارت دوسروں کے سپرد ہوتے تھے۔ ڈاکٹر نصیر احمد ناصر کہتے ہیں۔ "آپ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) اپنا مال تجارت' دساور کو جانے والے کاروانِ تجارت کے سپرد بھی کر دیا کرتے تھے"۔ (نصیر احمد ناصر' ڈاکٹر۔ پیغمبرِ اعظم و آخر۔ ص ۲۱۱)

ابوسفیان بن حرب' امیہ بن ابی الصلت کے ساتھ تجارت کے سفر کو

شام گئے۔ وہاں حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کی آمد کی بشارت سنی۔ واپس آکر پھر اکیلے یمن میں تجارت کے لیے گئے اور پانچ مہینے وہاں قیام کیا۔ علامہ جلال الدین سیوطی ابوسفیان کی زبان میں لکھتے ہیں۔ "پھر میں مکہ مکرمہ آیا۔ لوگ میرے پاس آتے' سلام کرتے اور مجھ سے اپنے اموال کے بارے میں دریافت کرتے۔ اس کے بعد نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس تشریف لائے' سلام کیا' مرحبا کہا اور مجھ سے سفر کا حال اور میری قیام گاہ کے بارے میں دریافت کیا اور یہ کہ تم کہاں تھے۔ اپنے مال کے بارے میں مجھ سے کچھ دریافت نہیں کیا اور کھڑے ہو گئے"۔ ابوسفیان کہتے ہیں۔ میں نے ہند سے کہا' بخدا مجھے ان پر تعجب ہوتا ہے۔ قریش میں سے کوئی بھی ایسا شخص نہیں کہ جس کا مال میرے پاس ہو اور اس نے اپنے مال کے بارے میں مجھ سے دریافت نہ کیا ہو لیکن محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے مجھ سے اپنے مال کے بارے میں کچھ دریافت نہیں کیا۔ (الخصائص الکبریٰ۔ جلد اول۔ ص ۱۸۸)

امام عبدالرحمٰن ابنِ جوزی نے "الوفا باحوالِ المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم" میں بھی اس واقعے کا ذکر کیا ہے۔ (الوفا۔ ص ۶۸' ۶۹) ابنِ خلدون نے "تاریخ" میں بشارت کا ذکر کیا ہے' یہ واقعہ بیان نہیں کیا۔ (تاریخ ابنِ خلدون۔ حصہ اول (العرب قبل الاسلام و عہدِ رسالت) اردو ترجمہ از ڈاکٹر شیخ عنایت اللہ۔ ص ۲۸۸)

قیس بن سائب سے روایت ہے جسے کاروبارِ تجارت میں آپ (صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم) کو قریب سے دیکھنے کا موقع ملا تھا۔ وہ کہتا تھا' میں نے زمانہ جاہلیت میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے بہتر ساجھی کوئی نہ پایا۔ اگر ہم ان کا سامان لے کر جاتے اور واپسی پر وہ ہمارا استقبال کرتے' صرف ہماری خیر و عافیت پوچھتے اور واپس چلے جاتے اور بعد میں حساب دینے پر قطعاً" تکرار و حجت نہ

کرتے۔ اس کے برخلاف اگر خود ہمارا سامان لے کر جاتے تو واپسی میں جب تک پائی پائی باق (کا حساب بے باق) نہ کر دیتے' گھر تک نہ جاتے۔ (سرورِ عالمؐ کے سفر مبارک۔ ص ۴۳)

اسی بات کو سوامی لکشمن پرشاد اپنے انداز میں یوں تحریر کرتے ہیں۔ "قیس بن صائب (سائب) کے ساتھ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) نے شرکت فرمائی اور مالِ تجارت فروخت کرنے کے لیے یمن تشریف لے گئے۔ واپسی پر آپؐ نے حساب کر کے تمام منافع کا نصف قیس بن سائب کو دے دیا۔ دوسری مرتبہ قیس بن مصائب (سائب) یمن میں مال تجارت فروخت کرنے کے لیے تشریف لے گئے۔ واپسی پر آپ (رضی اللہ عنہ) نے حساب کر کے منافع کی رقم کا نصف حصہ حضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کی خدمت میں پیش کر دیا۔ بعد میں حضرت صاحب (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کو معلوم ہوا کہ قیس بن سائب نے حساب میں غلطی کھائی ہے او آپؐ کے حصہ میں کچھ رقم زیادہ آ گئی ہے۔ آپؐ بے چین ہو گئے اور جب ت ب اپنے شریکِ تجارت کو بلا کر زائد رقم واپس نہ کر دی' آپؐ کو چین نہ آیا"۔ (لکشمن پرشاد۔ عرب کا چاند۔ ص ۱۰۰)

محمد کلیم ارائیں تجارتی کاروانوں کے بارے میں رقم طراز ہیں۔ "اس زمانے میں کاروانِ تجارت کا کاروبار مشترکہ سرمایہ کے اصول پر ہوتا تھا کیونکہ سفر کے راستے دشوار گزار اور پر خطر تھے۔ سفر کے اخراجات بہت گراں تھے۔ کسی تاجر کے لیے تنہا سامانِ تجارت لے کر سفر پر روانہ ہونا بہت مشکل تھا۔ چنانچہ کئی کئی لوگ مل کر نکلتے تھے اور ہر شریکِ تجارت اپنے علاوہ اپنے دوست احباب وغیرہ کا سامان' نصف منافع میں شرکت یا کسی ایسی ہی شرط پر ساتھ لیتا.. ... آپ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کبھی کبھار اپنے دوستوں اور جان پہچان والوں کا سامان لے کر جاتے اور کبھی خود نہ جاتے تو کسی دوسرے بھروسے کے

تاجر کے سپرد اپنا سامان کر دیتے"۔ (محمد کلیم ارائیں۔ سرورِ عالمؐ کے سفر مبارک۔ ص ۴۳)

تاریخ و سِیَر کی کتابوں میں حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کی معاشی زندگی کے بارے میں منفی رویہ رکھا گیا ہے' اس لیے اس قسم کے واقعات کا ذکر نہیں ملتا۔ پھر بھی اِکّادُکّا واقعات سے صورت حال سمجھنے میں آسانی ہو سکتی ہے' اگر کوئی واقعی سمجھنا چاہتا ہو۔ ابوسفیان اور قیس بن سائب کے بیان کردہ ان واقعات کے کئی پہلو ہیں۔ ایک تو یہ واضح ہو گیا کہ حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم اپنا سامان تجارت دوسروں کے ہاتھ بیرونِ ملک یا ملکی منڈیوں میں بھجواتے تھے۔ دوسرے یہ کہ اتنے خوشحال تھے کہ آپؐ کو اپنے مال کے بارے میں یا اس کے ذریعے ہونے والے منافع کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کی جلدی نہیں ہوتی تھی۔ تیسرے یہ کہ یہی طریقہ آپ (صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم) نے زندگی بھر اختیار فرمایا کہ جو لوگ آپؐ کا مال لاتے لے جاتے تھے' ان سے منافع وغیرہ کے بارے میں استفسار نہیں فرماتے تھے۔ اور' مدنی زندگی میں تو حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم نے کبھی کسی سے اس قسم کا سوال پوچھا ہی نہیں۔ کبھی کبھار کوئی چیز خرید فرمانا ہوتی یا کسی حاجت مند' مفلوک الحال' پریشان حال' مسافر یا اور کسی ضرورت مند کو کچھ دینا ہوتا تو اپنے کسی شریکِ تجارت سے دلوا دیتے تھے۔ حساب کتاب رکھنا آپؐ کے شریکِ تجارت افراد ہی کی ذمہ داری ہوتی تھی۔

حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم بعض چیزوں کا معاوضہ دوسروں سے کیوں دِلواتے تھے

حضرت بلالؓ ابتداءِ اسلام ہی میں مسلمان ہو گئے تھے۔ اسلام کے لیے ان پر سخت ظلم ہوئے' ایذائیں دی گئیں۔ شریر لڑکے ان کو جانور کی طرح لیے پھرتے تھے اور یہ "اَحَد اَحَد" کے نعرے لگاتے تھے۔ ایک روز حضور نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ و آلہٖ و سلم نے ان کو دیکھا کہ ان کو سخت ایذا دی جاتی ہے۔ ابو بکر صدیقؓ سے جا کر فرمایا' مجھے بلالؓ خرید دو۔ حضرت عباسؓ کے ساتھ جا کر انھوں نے بلالؓ کو خریدا اور آزاد کر دیا۔ (اظہر محمود۔ حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ و سلم کے سیاہ فام رفقا۔ ص ۲۵) بعض سیرت نگار یہ لکھتے ہیں کہ حضرت ابو بکرؓ نے حضرت بلالؓ کو خریدا اور آزاد کر دیا۔ لیکن اگر حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ و سلم نے حضرت ابو بکرؓ صدیق کو حکم دیا تھا کہ مجھے بلالؓ خرید دو' تو اس کا صاف صاف معنیٰ یہ ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے جو پیسے تجارت کے ضمن میں حضرت ابو بکرؓ کے پاس تھے' اس رقم سے حضرت بلالؓ کو خریدنے اور آزاد کرنے کا حکم دیا گیا تھا۔ جو تاثر ہمارے محترم سیرت نگار ایسے واقعات سے پیدا کرنے کی سعی کرتے ہیں' اسے سچ مان لیا جائے کہ حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ و سلم حضرت ابو بکرؓ کے مال پر تصرُّف کو جائز سمجھتے تھے اور جیسے چاہتے تھے' استعمال فرماتے تھے تو یہ بات حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ و سلم کے مقام اور مرتبے کے مطابق بھی نہیں ہے اور اس کے خلاف ایک مضبوط دلیل یہ بھی ہے کہ ہجرت کے موقع پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اونٹنی قصویٰ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے خریدی تھی۔

علامہ نور بخش توکلی لکھتے ہیں۔ "حضرت صدیقؓ نے عرض کیا۔ یا رسولؐ اللہ (صلی اللہ علیک و سلم) میرا باپ آپ پر قربان۔ آپ ان دو اونٹنیوں میں سے ایک پسند فرمالیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہٖ و سلم نے فرمایا کہ میں

قیمت سے لوں گا' چنانچہ ایسا ہی ہوا"۔ (نور بخش توکلی۔ سیرتِ رسولِ عربیؐ۔ ص ۱۰۰) شیخ عبدالحق محدث دہلوی لکھتے ہیں۔ "حضور (صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم) نے اس اونٹ کو نو سو درہم میں خرید لیا"۔ (مدارج النبوت۔ جلد دوم۔ اردو ترجمہ از مفتی غلام معین الدین نعیمی۔ ص ۹۶)

جب ہجرت کے اہم موقع پر حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم نے اپنے عزیز ترین دوست (اور غار و قبر و حشر کے رفیق) سے اونٹنی لی تو اس کی قیمت ادا کی۔ قیمت بھی یوں ادا فرمائی کہ حضرت ابوبکرؓ نے دو اونٹ چار سو درہم میں یا آٹھ سو درہم میں لیے تھے۔ (مدارج النبوت۔ جلد دوم۔ ص ۹۶) ان میں ایک اونٹنی قصویٰ حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم نے خریدی' نو سو درہم میں۔

اس کا ایک ہی معنیٰ ہے کہ جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے شریکِ تجارت کے پاس آپؐ کی رقم ہوتی تھی تو آپؐ اسے صرف حکم دیتے تھے کہ فلاں چیز میرے لیے خرید دو۔ حساب خود آپؐ کے شریکِ تجارت رکھتے تھے۔ جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تجارتی رقم کسی شریکِ تجارت کے پاس نہیں ہوتی تھی' حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم اسے نقد رقم دے کر چیز خرید فرماتے تھے۔

لیکن ہمارے محترم سیرت نگاروں نے کوشش یہ کی ہے کہ کہیں آقا حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم اگر ثروت مند نظر آتے بھی ہوں تو کھینچ تان کر اس کی ایسی توجیہ پیش کرنے کی کوشش کی جائے جس سے یہ تأثر زائل ہو جائے مثلاً ابنِ اثیر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ جب حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ہجرت کی تو نبیؐ کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی صاحبزادیاں اور ہمارا خاندان مکے میں ہی رہ گیا تھا۔ آپ (صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم) نے زید بن حارثہ اور اپنے مولیٰ ابورافع کو دو اونٹ اور پانچ

سو درہم دے کر روانہ فرمایا کہ انھیں لے آئیں۔ (اُسُد الغابہ۔ جلد ۱۰۔ ص ۲۹۹) نیاز فتحپوری اسے ہضم نہ کر سکے اور انھوں نے لکھا کہ "یہ رقم حضور صلی اللہ علیہ و سلم نے حضرت ابو بکرؓ سے فراہمیٔ ضروریات کے لیے حاصل کی تھی"۔ (نیاز فتح پوری۔ صحابیات۔ ص ۳۹)

نیاز فتح پوری کی اس تحریر کا کوئی جواز نہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ و سلم اگر ہجرت کے موقع پر حضرت ابو بکر صدیقؓ کی دو سو یا چار سو درہم کی خریدی ہوئی اونٹنی نو سو درہم میں خرید فرما سکتے ہیں تو بچوں کو منگوانے کے لیے پانچ سو درہم مزید بھی خرچ کر سکتے ہیں۔ لیکن اس کا کیا کیجئے کہ سیرت پر قلم اٹھانے والے مکرم حضرات حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ و سلم کے پاس کوئی رقم دیکھ نہیں سکتے۔

غارِ حرا میں قیام کی وجہ --- تحنّث یا رہبانیت

سب لوگ کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ و سلم کو تنہائی محبوب ہو گئی۔ (الخصائص الکبریٰ۔ جلد اول۔ ص ۱۷۱ / سیرتِ سرورِ عالمؐ۔ جلد دوم۔ ص ۱۳۱ / روضۃ الاحباب۔ اردو ترجمہ بعنوان رسالتمآبؐ۔ ص ۳۷ / سلمان منصور پوری۔ رحمۃ للعالمینؐ۔ جلد اول۔ ص ۴۶ / الرحیق المختوم۔ ص ۱۱۶) اور آپؐ پانی اور ستو لے کر غار حرا میں چلے جاتے تھے۔ (سلمان منصور پوری۔ رحمت للعالمینؐ۔ جلد اول۔ ص ۴۶، ۴۷) اسے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا "دورِ تحنّث" بھی کہا جاتا ہے۔ (نقوش۔ رسولؐ نمبر۔ جلد ۱۱۔ ص ۱۲۱ / سیرتِ سرورِ عالمؐ۔ جلد دوم۔ ص ۱۳۲ حاشیہ) "تحنّث (حنث: گناہ سے بچنے بچانے) کا شوق پیدا ہو گیا اور آپ (صلی اللہ علیہ و آلہٖ و سلم) کئی کئی راتوں کا توشہ لے کر

غارِ حرا میں چلے جایا کرتے تھے اور وہاں تحنّث فرمایا کرتے تھے"۔ (نقوش۔ رسولؐ نمبر۔ جلد ۲۔ ص ۴۷۶) کیا اس سے ہم یہ تاثر دینا چاہتے تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ و سلم نعوذ باللہ گناہ کے لوث سے پاک نہیں تھے اور غارِ حرا میں جا کر گناہوں سے دور رہنے کی مشق فرمایا کرتے تھے۔

ہمارے نامور سیرت نگار یہ فرماتے ہیں کہ حضرت خدیجہؓ سے شادی کی وجہ سے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم کے معاشی مسائل تو باقی نہیں رہے تھے۔ اس معاشی فراغت نے انھیں غور و فکر پر اُکسایا اور آپؐ تلاشِ حق کے لیے غارِ حرا میں تشریف لے جانے لگے۔

ابنِ ہشام اور طبری کی روایت کے مطابق ابنِ اسحاق اور عبداللہ بن زبیر نے عبید بن عمیر اللیثی سے نقل کیا ہے کہ آپ (صلی اللہ علیہ و آلہٖ و سلم) ہر سال ایک مہینا حرا میں گزارتے۔ (سیرتِ سرورِ عالمؐ۔ جلد دوم۔ ص ۱۳۲۔ متن و حاشیہ) "روضۃ الاحباب" میں بھی ہے کہ آپؐ کی یہ عادتِ شریفہ تھی کہ سال میں ایک بار مکہ سے باہر آتے اور غارِ حرا میں خلوت گزیں ہوتے اور خدا کی عبادت میں مشغول ہوتے اور بعد ایک ماہ کے، مکہ میں آتے"۔ (رسالتمآبؐ۔ ص ۳۷) سلمان منصور پوری لکھتے ہیں۔ "جب تک پانی اور ستّو ختم نہ ہو جاتے، شہر میں نہ آیا کرتے"۔ (سلمان منصور پوری۔ رحمت للعالمینؐ۔ جلد اول۔ ص ۴۷) "الرحیق المختوم" میں ہے۔ "آپ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان بھر اس غار میں قیام فرماتے"۔ (الرحیق المختوم۔ ص ۱۱۶) علامہ جلال الدین سیوطی کا کہنا ہے کہ "چند روز کے خورد و نوش کا سامان لے کر غارِ حرا میں گوشہ نشین ہو کر اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مصروف رہتے"۔ (الخصائص الکبریٰ۔ جلد اول۔ ص ۱۷۱)

سید امیر علی لکھتے ہیں کہ بعض اوقات مع اہل و عیال اور بعض اوقات

اکیلے کوہِ حرا پر ایک غار میں چلے جاتے۔ (امیر علی' سید۔ سرورِ کائنات ؐ۔ ص ۳۱) صفی الرحمان مبارکپوری کا کہنا ہے کہ حضرت خدیجہؓ ہر بار آپ صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کے ہمراہ جاتیں اور قریب ہی کسی جگہ موجود رہتیں۔ (الرحیق المختوم۔ ص ۱۱۶) جمال حسینی کا خیال ہے کہ حضرت خدیجہؓ ساتھ نہیں جاتی تھیں بلکہ جب اہلِ خانہ کا شوق ملاقات غالب آتا تو آپؐ گھر بھی واپس آ جاتے' خدیجہؓ کو دیکھتے اور زادِ راہ لے کر چلے جاتے۔ (رسالتمآبؐ۔ ص ۳۷)

سیرت کی کتابوں میں تأثر یہی دیا جاتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کی معاشی کفالت کی ذمہ دار حضرت خدیجہؓ تھیں۔ جب حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کا سامان خُورد و نوش ختم ہو جاتا' حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام غارِ حرا سے واپس آ کر سامان لے جاتے۔ "الخصائص" میں ہے۔ "پھر حضرت خدیجہؓ کے پاس آ کر اتنا ہی خوردونوش کا سامان لے جاتے"۔ (الخصائص الکبریٰ۔ جلد اول۔ ص ۱۷۱) مولانا مودودی لکھتے ہیں۔ "آپؐ کھانے پینے کا سامان گھر سے لے جا کر وہاں چند روز گزارتے' پھر حضرت خدیجہؓ کے پاس آتے اور وہ مزید چند روز کے لیے سامان آپؐ کے لیے مہیا کر دیتی تھیں"۔ (سیرتِ سرورِ عالمؐ۔ جلد دوم۔ ص ۱۳۲)

مجھے یہ کہنے کی اجازت دیجیے کہ اگر حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کا کوئی ذریعۂ معاش نہیں تھا اور آپؐ حضرت خدیجہؓ کے مال پر گزر بسر فرماتے تھے اور اسی حالت میں غارِ حرا میں مہینا مہینا قیام فرماتے تھے تو لوگ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر رہبانیت کا الزام تراش رہے ہیں جس کی اسلام میں کوئی گنجائش نہیں اور حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کی حیاتِ طیبہ میں اعلانِ نبوت سے پہلے بھی اس کا کوئی جواز نہیں ہے۔ اگر کوئی شخص کماتا نہیں ہے اور کسی پہاڑ کی چوٹی پر واقع غار میں بیٹھ کر عبادت یا غور و فکر کرتا ہے تو وہ اسلام کی

تعلیمات کے حوالے سے کوئی پسندیدہ عمل نہیں کرتا۔ چہ جائیکہ ہم یہ بات حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم سے منسوب کریں۔

حقیقت یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کا سامانِ تجارت آپؐ کے شریکِ تجارت حضرات لے جاتے تھے اور اس کا منافع آپؐ کی خدمت میں پیش کر دیا جاتا تھا جسے سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام غریبوں مسکینوں پر خرچ کرتے رہتے تھے۔

ابنِ اسحاق، ابنِ ہشام، طبری کے مطابق حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم غارِ حرا میں قیام کے دنوں میں مساکین کو کثرت سے کھانا کھلاتے تھے۔ (سیرتِ سرورِ عالمؐ۔ جلد دوم۔ ص ۱۳۲۔ حاشیہ) "الرحیق المختوم" میں بھی یہی بات نقل کی گئی ہے کہ "آپ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان بھر اس غار میں قیام فرماتے۔ آنے جانے والے مسکینوں کو کھانا کھلاتے"۔ (الرحیق المختوم۔ ص ۱۰۶) سید امیر علی، ابنِ ہشام، ابنِ اثیر اور ابوالفدا کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ "آنحضرت (صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم) اکثر ماہِ رمضان غارِ حرا میں عبادت میں گزارا کرتے تھے اور غریبوں کی امداد اور مسافرانِ صحرا کی دستگیری میں صرف کیا کرتے"۔ (سرورِ کائناتؐ۔ ص ۳۱)

"آنے جانے والے مسکینوں کی امداد" اور مسافرانِ صحرا کی دستگیری" تو خیر لطیفہ ہے کیونکہ غارِ حرا جبلِ نور کی چوٹی پر واقع ہے جہاں آنے جانے کا تردد کوئی نہیں کرتا ہو گا اور "مسافرانِ صحرا" کا وہاں تصور بھی نہیں ہو سکتا۔ یہ کوئی گزر گاہ نہیں ہے، اس لیے یہ الفاظ تو کلی پُھندنے لگانے کی کوشش معلوم ہوتے ہیں۔ البتہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کی داد و دہش، لطف و عطا، بخشش و جُود و کرم اور عنایاتِ کریمہ کی وجہ سے یہ ممکن ہے کہ جن دنوں سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم غارِ حرا میں قیام فرماتے ہوں، مساکین اور

مستحقین حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے الطاف و اکرام اور جُود و سخا سے استفادے کے لیے یہاں بھی آجاتے ہوں۔ لیکن یہ مال حضرت خدیجہؓ کا نہیں، حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا اپنا ہوتا تھا۔

نزولِ وحی کے وقت شریکِ حیات کی گواہی

نزولِ وحی کے وقت حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حالت کے متعلق جو یہ کہا جاتا ہے کہ انھوں نے اپنے اَن پڑھ ہونے کا اعلان کیا، پھر پڑھنے بھی لگے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر کپکپی طاری ہوگئی، اُمّ المؤمنین حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ نے آپؐ کو تسلی دی۔ پھر مزید تسلی کے لیے ورقہ بن نوفل کے پاس لے گئیں۔ ایک ورقہ نے کتابِ ہستی کے سرنامے کو بتایا کہ وہ نبی ہیں۔ اس کے بارے میں تفصیلی بحث "سیرتِ پاک" کی تیسری جلد میں آئے گی۔ فی الوقت حضرت خدیجہؓ کے ان الفاظ کے بارے میں گفتگو مطلوب ہے جو انھوں نے آقا حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی تعریف و توصیف میں ادا کیے، اس میں فقیروں کی دستگیری اور بیواؤں کی خدمت کا ذکر بہت نمایاں ہے (سہ ماہی "اسلامی تعلیم" لاہور۔ جنوری فروری ۱۹۷۳ء۔ مضمون "آنحضور (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کی معاشی و معاشرتی زندگی" ص ۴۰)

جمال حسینی لکھتے ہیں، حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے عرض کیا کہ آپ صلۂ رحمی فرماتے ہیں، عیال کا بوجھ اٹھاتے ہیں، کسب کرتے ہیں، مہمان نوازی فرماتے ہیں، مصیبت زدوں کی امداد کرتے ہیں۔ (رسالتمآبؐ۔ ترجمہ "روضۃ الاحباب"۔ ص ۳۹) حاشیے میں مفتی عزیز الرحمان لکھتے ہیں۔ "یہ تفاصیل بخاری، مسلم اور تفسیرِ ابنِ کثیر میں

موجود ہیں۔ حدیث میں ہے کما کر کھلاتے ہیں ..... الخ"۔ معلوم ہوا کسبِ معاش کے ذریعے پرورش عیال' غربا پروری' مہمان نوازی کرنا انتہائی اعلیٰ وصف ہے۔ ایسے لوگوں کو خدا ضائع نہیں کرتا جس سے ثابت ہے کہ یہ اعلیٰ درجے کی دینداری ہے"۔ (رسالتمآبؐ۔ ص ۳۹۔ حاشیہ) شرحِ مواہب اور علامہ قسطلانی کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ حضرت خدیجہؓ نے فرمایا' آپ مہمان نواز ہیں' سچ بولتے ہیں' امانت دار ہیں' مصیبت زدوں کی امداد کرتے ہیں' مسافروں اور یتیموں کے ساتھ اچھا سلوک کرتے ہیں۔ (رسالتمآبؐ۔ ص ۳۹)

شیخ عبدالحق محدث دہلوی کے الفاظ ہیں۔ "آپ (صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم) صلۂ رحمی فرماتے' عیال کا بوجھ اٹھاتے' ریاضت و مجاہدہ کرتے' مہمان نوازی فرماتے' بیکسوں اور مجبوروں کی دستگیری کرتے' محتاجوں اور غریبوں کے ساتھ بھلائی کرتے' لوگوں کے ساتھ حُسنِ اخلاق سے پیش آتے' لوگوں کو سچائی میں ان کی مدد اور ان کی بُرائی سے حذر فرماتے ہیں' یتیموں کو پناہ دیتے' سچ بولتے اور امانتیں ادا فرماتے ہیں"۔ (مدارج النبوت۔ جلد دوم۔ اردو ترجمہ۔ ص ۵۰) قریبیوں کے ساتھ نیکی کرنے اور مہمانوں کی پذیرائی کرنے کی بات جعفر سبحانی بھی دُہراتے ہیں (فروغِ ابدیت۔ اردو ترجمہ از نصیر حسین۔ ص ۱۵۱) دیگر سیرت نگاروں نے بھی کچھ الفاظ کے اختلاف کے ساتھ یہ روایت بیان کی ہے (محمد رضا' شیخ۔ محمدؐ رسول اللہ۔ ص ۱۰۶ / مودودی' ابوالاعلیٰ۔ سیرتِ سرورِ عالم۔ جلد دوم۔ ص ۱۳۴ / صفی الرحمان مبارکپوری۔ الرحیق المختوم۔ ص ۱۱۹)

محمد ابراہیم میر سیالکوٹی نے حضرت خدیجہؓ کے ان توصیفی فقرات کے بارے میں لکھا کہ "حضرت خدیجہؓ نے آنحضرت صلعم (صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم) کے خصائلِ حسنہ اور اخلاقِ فاضلہ کا مرقع کھینچ دیا ہے جو قبل از نبوت تھے اور حضرت خدیجہؓ کی یہ شہادت دنیا جہان کی شہادتوں سے زیادہ وزن دار ہے کیونکہ

آپؓ آپ (صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم) کی زوجۂ مطہرہ ہیں اور اس وقت تک برابر پندرہ سال سے آپ کے ساتھ زندگی گزار رہی ہیں۔ آپؐ کی خصلتوں اور عادتوں سے پوری طرح واقف ہیں اور طبعی اور عارضی حالتوں میں امتیاز کر سکتی ہیں۔ اس معنی میں آنحضرت صلعم (صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم) کا یہ زریں قول ہے۔ خَيْرُكُمْ خَيْرُكُمْ لِاَهْلِهٖ (الحدیث) یعنی تم میں بہتر وہ شخص ہے جو اپنے اہل و عیال سے نیک سلوک کرتا ہے کیونکہ اہل و عیال میں زندگی بے تکلف ہوتی ہے اور احباب و اقربا سے سلوک کرنے میں تکلف یا مصلحتِ وقتی کا ظن گزر سکتا ہے۔ پس اہل و عیال کی شہادت سے اصلی خصلتوں اور عارضی حالتوں میں امتیاز ہو سکتا ہے۔ اس مقام پر آنحضرت (صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم) کے جو اخلاقی محاسن بیان کیے گئے ہیں۔ ان کی فلسفیانہ تنویع و تقسیم کے متعلق خاتمہ الحفاظ، حافظ ابنِ حجر فرماتے ہیں :

"حضرت خدیجہؓ نے استقراء سے مکارمِ اخلاق کے اصول بیان کر دیئے ہیں۔ کیونکہ احسان یا تو اپنے اقارب پر ہوتا ہے یا اجنبیوں پر۔ اور یا بدن سے ہوتا ہے یا مال سے اور یا اس شخص پر ہوتا ہے جو اپنے معاملات میں خود مستقل ہوتا ہے۔ یا اس پر جو خود مستقل نہیں ہوتا (بلکہ دوسروں کی مدد کا محتاج ہوتا ہے) اور حضرت خدیجہؓ نے آنحضرت (صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم) کے جو جو اوصاف بیان کیے ہیں۔ وہ سب کے سب مجموعہ اس بیان میں موجود ہیں"۔ سبحان اللہ (فتح الباری دہلوی جزء اول۔ صفحہ ۱۳) (ابراہیم سیالکوٹی۔ سیرتُ المصطفیٰؐ۔ جلد دوم۔ ص ۲۲۵)

سب اُمتیوں کی معزز و مکرم ماں، سیّدہ خدیجہؓ کو حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کی حیاتِ طیبہ کے پندرہ برسوں میں جو خصوصیات نظر آئیں، ان کا ذکر انھوں نے فرما دیا۔ ان میں زیادہ تر خصوصیات ایسی ہیں جو کسی مفلوکُ الحال

شخص میں نہیں ہو سکتیں۔ جو خاص بات سیدہؓ نے ارشاد فرمائی' وہ یہ ہے کہ کسب کرتے ہیں۔ اس سے ہماری کتابوں میں بار بار' بلکہ ہر بار دُہرائی گئی اس بات کی تغلیط تو ہو ہی جاتی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم سیدہ خدیجہؓ کے مال پر گزارا کر رہے تھے۔

عیال کا بوجھ اٹھانے والے

حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کا اپنی کمائی کے ذریعے عیال کو پالنا اور ان کا بوجھ اٹھانا بھی یہی معنیٰ رکھتا ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بارے میں یہ تاثر دینا سیرت نگار حضرات کی زیادتی ہے کہ وہ خود کچھ نہیں کرتے تھے۔ عیال میں حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کی پندرہ سالہ ازدواجی حیاتِ مبارکہ کی ذمہ داریاں بھی ہیں اور اس کے بعد آخر تک یہ ذمہ داریاں بڑھتی ہی گئیں۔ صرف حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کی زندگی پاک کے چالیس سال میں آپؐ کے زیرِ سایہ جو شخصیتیں پل رہی تھیں' ان میں **حضرت قاسم** (سیرتِ احمدِ مجتبیٰؐ۔ جلد اول۔ ص ۱۱۳ / انوارِ محمدیہؐ۔ ص ۱۹۲' ۲۳۲ / الوفا۔ ص ۶۸۹) **حضرت عبداللہ یا طیبؓ' مطیب اور طاہر' مطہر** (مدارج النبوت۔ جلد دوم۔ ص ۷۷۲ / سیرتِ محمدیہؐ۔ جلد دوم۔ ص ۲۳۱) **حضرت زینبؓ** (اُسُد الغابہ۔ جلد ۱۰۔ ص ۱۳۶ / نیاز فتح پوری۔ صحابیات۔ ص ۱۱۳ / تذکارِ صحابیات۔ ص ۱۱۶ / غزواتِ نبویؐ۔ ص ۲۷ / رحمان علی۔ المشاہد۔ ص ۲۹ / سیرُ الصحابہ۔ جلد ششم۔ ص ۹۵' ۹۶ / اُسوۃ الرسولؐ۔ جلد دوم۔ ص ۴۱۹' ۴۲۰ / حیاتِ محمدؐ۔ ص ۳۳۵ / سیرتُ النبیؐ کامل مرتبہ ابنِ ہشام۔ جلد اول۔ ص ۷۵۹) **حضرت رقیہؓ** (تذکارِ صحابیات۔ ص ۱۲۲ / حیاتُ الصحابہ۔ جلد اول۔ ص ۶۲' ۶۳ / اُسُد الغابہ۔ جلد ۱۰۔ ص ۱۱۱' ۱۱۲' ۳۳۴' ۳۳۵ / صحابیات۔ ص ۱۲۷) **حضرت اُمِّ**

کلثومؓ (رہبرِ کاملؐ۔ ص ۷۶ / ابنِ جوزی، عبدالرحمان، النبی الاطہرؐ۔ ص ۸۶ / نقوش۔ رسولؐ نمبر۔ جلد ۷۔ ص ۲۰۲ / حیاتِ رسالتمآبؐ۔ ص ۸۰ / شہناز کوثر۔ حیاتِ طیبہ میں پیر کے دن کی اہمیت۔ ص ۱۵۲، ۱۵۳) **حضرت فاطمۃ الزہراؓ** (صحابیات۔ ص ۱۳۵ / نقوش۔ رسولؐ نمبر۔ جلد ۷۔ ص ۲۰۶ / سراپائے اقدس۔ ص ۲۴۷ - ۲۴۹ / نقوش۔ رسولؐ نمبر۔ جلد ۱۔ ص ۵۵۶ / شرف النبیؐ۔ ص ۴۱۷ / مختصر سیرت الرسولؐ۔ ص ۳۵۷ / الوفا۔ ص ۸۰۳ / باڈلے۔ الرسولؐ۔ ص ۴۱۰ / اُسُد الغابہ۔ جلد ۱۰۔ ص ۲۰۹، ۲۱۰ / شبلی۔ سیرتُ النبیؐ۔ جلد دوم۔ ص ۱۱ / الرحیق المختوم۔ ص ۷۴۹، ۷۵۰ / محمد عابد۔ رحمتٌ للعالمینؐ۔ ص ۳۶۳) **حضرت امامہؓ بنتِ ابوالعاص**، حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ و سلم کی نواسی (اسد الغابہ۔ جلد ۱۱۔ ص ۱۶۸ / اسد الغابہ۔ جلد ۱۰۔ ص ۳۶، ۳۷ / راجا رشید محمود۔ حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ و سلم اور بچے۔ ص ۴۲ / خطباتِ جمعہ مطبوعہ وزارتِ مذہبی امور۔ ص ۳ / صحابیات۔ ص ۱۶۹) **حضرت امِ کلثوم بنتِ علیؓ** (اسد الغابہ۔ جلد ۱۰۔ ص ۳۴۵ / طالب ہاشمی۔ سیرتِ فاطمۃ الزہرا۔ ص ۲۷۷ / محمد صدیق کھوکھر۔ امت کی شہزادیاں۔ ص ۱۳۶ / اسد الغابہ۔ جلد ۷۔ ص ۵۱، ۵۲) **حضرت زینبؓ بنتِ علیؓ** (راجا رشید محمود۔ حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ و سلم اور بچے۔ ص ۲۳ / ماہنامہ "پیامِ عمل" لاہور۔ شریکۃ الحسین نمبر۔ جون ۱۹۶۶ء۔ ص ۴۳ / تذکارِ صحابیات۔ ص ۴۹۶ / نقوش۔ رسولؐ نمبر۔ جلد ۲۔ ص ۱۹۸، ۱۹۹ / نواز رومانی۔ جرنیل صحابہؓ۔ ص ۲۳۳ / محمد احمد باشمیل۔ غزوۂ موتہ۔ ص ۳۴۶) **حضرت علیؓ بن ابوطالبؓ** (نقوش۔ رسولؐ نمبر۔ جلد ۱۔ ص ۵۴۱ / شہناز کوثر۔ حیاتِ طیبہ میں پیر کے دن کی اہمیت۔ ص ۲۴۲ / حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ و سلم اور بچے۔ ص ۲۸ / نقوش۔ رسولؐ نمبر۔ جلد ۱۱۔ ص ۲۷۰، ۲۷۱، ۲۷۳ / سیر الصحابہ۔ جلد پنجم۔ حصہ اول۔ ص ۳۰) **حضرت**

زبیرؓ بن عوام (شہناز کوثر۔ حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کی رشتہ دار خواتین۔ ص ۵۸، ۶۲ / طالب ہاشمی۔ شمعِ رسالت کے تیس پروانے۔ ص ۴۶ / سیر الصحابہ۔ جلد دوم۔ مہاجرین حصہ اول۔ ص ۸۲ / تذکارِ صحابیات۔ ص ۲۴۶ / اُسُد الغابہ۔ جلد ۱۰۔ ص ۱۶۱ / سیرُ الصحابہ۔ جلد ۶۔ ص ۱۱۴ / صحابیات۔ ص ۱۹۱ / اسد الغابہ۔ جلد ۴۔ ص ۶۴ / حیاتُ الصحابہ۔ جلد اول۔ ص ۲۹۹۔ ابنِ قیم جوزی۔ اُسوۂ حسنہ۔ ص ۱۰۰) حضرت ہند بنتِ عتیق (سیرتِ دحلانیہ۔ ص ۳۰۶ / الوفا۔ ص ۱۸۴ / سیرتِ محمدیہؐ۔ جلد اول۔ ص ۱۹۷ / روضۃ الاحباب کا اردو ترجمہ بنام رسالت مآبؐ۔ ص ۲۳۹ / اصح السیر۔ ص ۱۱ / سیرتِ سرورِ عالمؐ۔ جلد دوم۔ ص ۱۱۲) حضرت حارثؓ بن ابی ہالہ (امیر الدین۔ سیرتِ طیبہ۔ ص ۱۸۲ / حمید اللہ، ڈاکٹر محمد۔ رسولِ اکرمؐ کی سیاسی زندگی۔ ص ۸۶ / حیاتِ طیبہ میں پیر کے دن کی اہمیت۔ ص ۴۴ / عہدِ نبویؐ کے نادر واقعات۔ ص ۷۹، ۸۰ / جوامع السیرۃ۔ ص ۶۴ / سیرتِ احمدِ مجتبیٰ۔ جلد اول۔ ص ۲۱۸) حضرت ہالہؓ بن ابی ہالہ (الوفا۔ ص ۱۸۴ / سیرتِ سرورِ عالمؐ۔ جلد دوم۔ ص ۱۱۱، ۱۱۲ / سیرتِ دحلانیہ۔ ص ۳۰۶ / مدارج النبوت۔ جلد دوم۔ ص ۷۹۷ / اسد الغابہ۔ جلد ۹۔ ص ۳۴، ۹۳ / اصح السیر۔ ص ۱۱) حضرت ہندؓ بن ابی ہالہ (شرف النبیؐ۔ ص ۲۰۳ / اُسُد الغابہ۔ جلد ۹۔ ص ۱۲۷ - ۱۲۹ / الوفا۔ ص ۴۷۳ / ماہنامہ "نعت" لاہور۔ اکتوبر ۱۹۹۲۔ بعنوان سراپائے سرکار صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم۔ حصہ دوم۔ ص ۲۱، ۲۲ / ماہنامہ "نظام المشائخ" دہلی۔ رسولؐ نمبر۔ ۱۹۲۹۔ مضمون از عبدالرزاق ملیح آبادی) حضرت ایمنؓ بن عبید حبشی (اظہر محمود۔ حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کے سیاہ فام رفقا۔ ص ۵۳ / شہناز کوثر۔ حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کا بچپن۔ ص ۱۸۹، ۱۹۹)

عیال ہیں ان بچوں کے علاوہ جو چالیس برس کی عمر مبارک تک آپ

کی ذمہ داری تھے، حضرت ابراہیمؓ تھے، حضرت اُمِ سلمہ رضی اللہ عنہا کی پہلی اولاد تھی، حضرت اُمِ حبیبہ رضی اللہ عنہا کی بچی، مدینۂ طیبہ کے پہلے مسلمان حضرت اسعد بن زُرارہؓ کی اولاد اور ایک آدھ ایسا یتیم بچہ بھی ہے جس کے بارے میں سرکار صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ کیا تمھیں پسند نہیں کہ عائشہ (رضی اللہ عنہا) تمھاری ماں اور میں تمھارا باپ ہوں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت بشیرؓ بن عشریہ جہنی کو یہ فرمایا تھا۔ (راجا رشید محمود۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور بچے۔ ص ۷۹)

یہ سب شخصیتیں حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے زیرِ کفالت پلی بڑھیں اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ذمہ داری تھیں۔ ان سب کا بوجھ اٹھانے والی ہستی کو ان کی شریکِ حیات حضرت خدیجہؓ تو غریب نہیں گردانتیں، جانے ہم کیوں ایسا کرنے پر اُدھار کھائے بیٹھے ہیں۔

صلۂ رحمی کرنے والے

اُمّ المؤمنین سیّدہ خدیجہؓ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو صلۂ رحمی کرنے والے بھی کہا۔ مطلب یہ ہے کہ جن کی ذمہ داری کا بوجھ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اٹھا رکھا تھا، ان کے علاوہ دیگر رشتہ داروں کے ساتھ بھی حُسنِ سلوک فرماتے تھے۔ لیکن حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی معاشی زندگی کی جو تصویر ہماری کتابوں میں نظر آتی ہے، ان میں تو حضرت خدیجہؓ کی اس رائے کی تائید نہیں ہوتی۔

مہمان نوازی فرمانے والے

جس کے پاس خود کھانے کو کچھ نہ ہو، جو خود کچھ نہ کماتا ہو اور نعوذ باللہ بیوی کی کمائی پر گزارا کرتا ہو، اس کی محترم بیوی اسے عیال کا بوجھ اٹھانے

والے' کسب اور کمائی کرنے والے' صلۂ رحمی کرنے والے اور مہمان نوازی کرنے والے کیسے کہہ سکتی ہیں۔

مصیبت زدوں' مسافروں اور یتیموں کی مدد کرنے والے

قارئینِ کرام سے گزارش ہے' نظرِ انصاف سے دیکھیں کہ ہماری سیرت کی قریباً" ہر کتاب میں' اور خصوصاً" ان کتابوں میں جنھیں بنیادی مآخذ کی حیثیت حاصل ہے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عُسرت و نکبت اور ناداری و کسمپرسی کی جو تصویر پینٹ کی جاتی ہے' اس میں ان خصائص و خصائل کی کہیں گنجائش نکلتی ہیں جو ہمارے آقا حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ و سلم کی قریب ترین ہستی' اُمُ المؤمنین حضرت خدیجہؓ فرما رہی ہیں۔ یا ہماری کتابیں سچ بولتی ہیں یا اُمُ المؤمنین کا ارشادِ مبارک حق ہے۔ دونوں باتیں دو انتہائیں ہیں اور بیک وقت سچ نہیں ہو سکتیں۔

اور' ——— ہمارا تجربہ بھی ہے' مشاہدہ بھی ہے' اور یہی میرا ایمان ہے کہ جو شخص مہمان نواز ہو' وہ کبھی غریب ہو ہی نہیں سکتا۔ ہر شخص کا رزق اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمہ لے رکھا ہے اور جو شخص کسی کو کھانا کھلاتا ہے' وہ دراصل اللہ کا کام کر رہا ہوتا ہے' اور اللہ تعالیٰ اس کی مدد خزانۂ غیب سے کرتا ہے' کبھی اسے کمی نہیں آنے دیتا۔ یہ تو میں آج کی گئی گزری دنیا کی باتیں کر رہی ہوں' خیر القرون کی نہیں۔ اور خیر القرون میں خود حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کی مہمان نوازی کے بعد ان کی عُسرت و تنگدستی کا افسانہ کیا محض بے اصل نہیں ہے۔

شعبِ ابی طالبؓ

ابن اسحٰق لکھتے ہیں "اس کے بعد قریش نے صحابۂ کرامؓ پر عرصۂ حیات تنگ کرنا شروع کر دیا اور انتقامی کارروائی کے لیے ایک دوسرے کو بھڑکایا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ہر قبیلے نے اپنے میں سے ایمان لانے والے کو سخت ترین عذاب میں مبتلا کیا' اور اس کو دین سے برگشتہ کرنے کے لیے ہر حربہ استعمال کیا۔ اللہ تعالیٰ نے ابوطالبؑ کے ذریعے رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کو محفوظ رکھا۔ جب ابوطالب نے قریش کو صحابہؓ پر مظالم ڈھاتے دیکھا تو انھوں نے بنو ہاشم اور بنو مطلب کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کی حمایت اور حفاظت پر آمادہ کر لیا۔ ان میں سے صرف ابولہب اور اس کے بیٹوں نے قریش کے دشمن قبائل کا ساتھ دیا"۔ (مختصر سیرت الرسولؐ۔ ص ۱۸۳)

محمد ابراہیم میر سیالکوٹی لکھتے ہیں۔ "کفار نے پختہ ارادہ کر لیا کہ آنحضرت صلعم (صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم) کو علانیہ قتل کر دیں کیونکہ بغیر اس کے یہ تحریک رکتی نظر نہیں آتی۔ ابوطالب کو جب ان کے اس ارادے کی خبر لگی تو اپنے کنبہ بنو عبدالمطلب کو جمع کیا اور ان کو حکم کیا کہ وہ آنحضرت (صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم) کی جان کی حفاظت میں کھڑے ہو جائیں۔ قریش کو معلوم ہوا کہ یہ دونوں گھرانے آنحضرت (صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم) کی جان کی حفاظت پر تل گئے ہیں اور اب آنحضرت (صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم) کو قتل کرنا آسان نہیں رہا تو آپس میں مشورہ کیا کہ ان سب سے مقاطعت یعنی بائیکاٹ کر کے ان پر مکہ شریف کی سکونت تنگ کر دی جائے۔ حتیٰ کہ وہ آنحضرت (صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم) کو قتل کے لیے ہمارے حوالے کر دیں"۔ (محمد ابراہیم میر سیالکوٹی۔ سیرت المصطفیٰؐ۔ جلد اول۔ ص ۲۹۵)

یہی بات احمد بن زینی دحلان مکی اور دوسرے سیرت نگاروں نے لکھی

ہے۔ (اسنیٰ المطالب فی نجاتِ ابی طالبؓ۔ مترجم صائم چشتی۔ ص ۳۰)

موسیٰ بن عقبہ نے امام زہری کے حوالہ سے اپنی مغازی میں لکھا ہے کہ ابوطالب کو جب معلوم ہوا کہ قریش کے لوگ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی جان کے درپے ہیں، تو انھوں نے بنی ہاشم اور بنی المطلب کو بلایا اور ان سے کہا کہ محمد (صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم) کو ساتھ لے کر سب کے سب شعبِ ابی طالب میں جمع ہو جائیں اور آخر وقت تک آپؐ کی حفاظت کریں۔ اس تجویز کو دونوں خاندانوں نے قبول کیا اور ان کے کافر اور مسلمان، سب شعبِ ابی طالب میں سمٹ آئے۔ اس کے بعد قریش کے باقی خاندانوں نے آپس میں وہ معاہدہ کیا جس کا ذکر اوپر گزرا ہے۔ (مودودی، سید ابوالاعلیٰ۔ سیرتِ سرورِ عالمؐ۔ جلد دوم۔ ص ۶۱۳)

بنو ہاشم اور بنو مطلب میں سے صرف ابولہب کفارِ قریش کے ساتھ شامل رہا، باقی پورا قبیلہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حفاظت کے خیال سے جمع ہو گیا جس میں مسلمان تو تھے ہی، کافر بھی تھے۔ یہ حضرت ابوطالبؓ کی ذکاوت اور زیرکی کا اثر تھا کہ جو اہلِ قبیلہ ایمان نہیں لائے تھے، وہ بھی حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کی حفاظت کے خیال سے ایک پلیٹ فارم پر جمع ہو گئے۔ مگر اس کے نتیجے میں انھیں جس معاشرتی مقاطعے (بائیکاٹ) کا سامنا کرنا پڑا، جو مصائب اور مشکلات پیش آئیں، ان کا تجزیہ کرنے کی ضرورت ہے کہ کیا قبائلی عصبیت کی بنا پر لوگ اپنے بال بچوں کو بھوکوں مارنے پر آمادہ ہو سکتے تھے جبکہ وہ اس نئے دین پر ایمان بھی نہ لائے ہوں۔

حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم نے عربوں کے آبائی مذہب کی تغلیط کی، آپؐ نے ان کے خداؤں کو جھوٹا، بے اثر اور بے اصل قرار دے دیا۔ اسی وجہ سے آپ (صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم) کی مخالفت کی گئی۔ یہ مخالفت اور مخاصمت

اتنی بڑھی کہ آپؐ کے رشتہ داروں تک نے آپؐ سے بُرا سلوک کیا' آپ کو تکلیف پہنچائی' آپؐ کے ساتھیوں پر ظلم و جوَر روا رکھا۔ پھر یہ کیسے ہوا کہ وہ سب لوگ نہ صرف حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کی حمایت پر کمربستہ ہوئے' بلکہ مشترکہ بائیکاٹ کا سامنا کیا' گھاٹی میں محصور ہوئے اور محصوری کا یہ دورانیہ تین برس تک ہے۔ اور' ------ یہ سب کچھ اس صورتِ حال میں ہے کہ ہمارے محترم سیرت نگار حضرات کے بقول حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم غریب اور مفلوک الحال بھی تھے۔

میں سمجھتی ہوں' قبائلی عصبیت کا جتنا بھی اثر مان لیں' حضرت ابوطالبؓ کے خطبوں کی سحرانگیزی کو تسلیم کرلیں' معاشرتی مقاطعے کی اس صورتِ حال میں جس کی تصویر ہماری سیرت کی کتابوں میں کافی تفصیل سے پیش کی جاتی ہے' بچوں کو بھوکا مارنا قبیلے والوں کے لیے ممکن نہ تھا۔ خاص طور پر ان حالات میں کہ ان میں سے زیادہ تر کا مذہب اور تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم ان کے خداؤں کو مانتے بھی نہیں تھے اور ان کے مقابلے میں خدائے واحد کے قائل تھے اور خود "غریب" بھی تھے۔ تین برس تک یہ محصوری برداشت کرنے کی ایک ہی صورت تھی کہ اس دورانیے میں ان کے اخراجات حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کے ذمے ہوں۔

اہلِ ایمان کا معاملہ تو الگ ہے لیکن جو لوگ ایمان نہیں لائے تھے' وہ اپنے خداؤں کی تغلیط بھی کرائیں' بائیکاٹ اور محصوری کی مصیبتیں بھی جھیلیں' بچوں کو بھی اپنے ساتھ بھوکا رکھیں' پتّے کھا کر گزارا کریں اور ایک مفلوک الحال فرد کے لیے' بات سمجھ میں نہیں آتی۔

ممکن بات یہ ہے کہ حضرت ابوطالبؓ نے انھیں قبائلی عصبیت کی بنیاد پر اکٹھا کیا' ان کا معاشرتی بائیکاٹ ہوا تو محصوری کے تین برسوں میں ان کے اور

ان کے بال بچوں کے لیے روٹی کپڑے کا انتظام حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم فرماتے رہے۔ اس طرح وہ لوگ مسلمان تو نہیں ہوئے لیکن اس مصیبت میں حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کا ساتھ نہیں چھوڑا۔ شعبِ ابی طالب کے تین برس کی محصوری کے دوران میں کسی کافر کے مسلمان ہونے کی اطلاع کسی کتاب سے نہیں ملتی۔ اگر وہ سب مسلمان ہو جاتے تو اور بات ہوتی۔ لیکن ان کے کافر رہتے ہوئے بھی حضرت ابوطالبؓ کے کہنے پر تین برس کا بائیکاٹ جھیلنا اس طرح تو انسانی برداشت سے باہر ہے کہ انھیں کھانے تک کو کچھ نہ ملے۔

ان برسوں میں حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم خود تو تجارت کر نہیں سکتے تھے کہ تجارت کا بھی بائیکاٹ تھا۔ آپؐ "یقیناً" پورے قبیلے کے اخراجات برداشت کرتے رہے۔ نیز آپؐ کے شریکِ تجارت بھی اپنا کام کرتے رہے۔ امام سُہیلی "روض الانف" میں لکھتے ہیں کہ بیرونِ مکہ سے کوئی تجارتی کاروان آتا اور مسلمان ان سے کوئی چیز خریدنے کے لیے وہاں پہنچ جاتے تو ابولہب ان قافلے والوں سے زیادہ قیمت پر چیز خرید لیتا' مسلمانوں کے ہاتھ نہ بیچنے دیتا۔ (الروض الانف۔ جلد دوم۔ ص ۱۲۷ بحوالہ ضیاءُ النبیؐ۔ جلد دوم۔ ص ۳۸۵ / ابوالحسن علی ندوی۔ نبیٔ رحمتؐ۔ ص ۱۴۰)

لیکن ہشام بن عمرو عامری اور حکیم بن حزام کے بارے میں جو معلومات ملتی ہیں کہ وہ گیہوں یا خوراک سے لدے ہوئے تین اونٹ محصورینِ شعبِ ابی طالب کے لیے لے جا رہے تھے کہ ابوسفیان اور ابوجہل نے انھیں دیکھ لیا اور روکنا چاہا۔ (شبلی نعمانی۔ سیرتُ النبیؐ۔ جلد اول۔ "محرم ۷ نبوی: شعبِ ابوطالب میں محصور ہونا" / ضیاءُ النبیؐ۔ جلد دوم۔ ص ۳۸۵)

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم نے ان دو حضرات سے مل کر تجارت کا کام جاری رکھا ہو گا اور یہ شریکِ تجارت افراد

حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کا سامان شعبِ ابی طالب میں پہنچانے کے لیے لا رہے تھے۔ اس سے بھی اس کی توثیق ہو جاتی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم شعب ابی طالب کے تمام محصورین کے اخراجات کے ذمہ دار خود تھے۔

مسئلہ تو صرف یہ تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کو محصورین یا تو خود (نعوذ باللہ) قتل کر دیں یا کفارِ قریش کے حوالے کر دیں' اور بس۔ اور' اگر ان کے کفیل سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام خود نہ ہوتے' ان کے تمام اخراجات خود برداشت نہ کرتے تو کافر محصورین میں سے کوئی نہ کوئی کفارِ قریش کے لیے جاسوسی ضرور کر دیتا یا خود ان کا مطالبہ پورا کرنے کی کوشش کرتا۔ سیرت کی کسی کتاب میں کوئی اشارہ نہیں ملتا کہ کافر محصورین میں سے کوئی ایک بھی ایسی کسی کوشش کا مرتکب بھی ہوا ہو۔

اگر محصورین کی اور ان کے بچوں کی بھوک کی کہانیاں درست ہوں تو کافروں میں سے کوئی نہ کوئی اپنی یا اپنے بچوں کی بھوک کی وجہ سے کم از کم یہ تو کر ہی سکتا تھا کہ وہ گھاٹی سے مکہ واپس چلا جاتا اور وہاں جا کر کفارِ قریش سے مسلمانوں کی جاسوسی کرتا' وہ جس طریقے یا جن طریقوں سے گزر بسر کر رہے تھے' وہ بتاتا اور محصورین کو معاشی طور پر مزید پریشان کرنے کی راہیں بجھا سکتا تھا۔ کفارِ مکہ ایسے آدمی کو اس لیے بھی گلے لگاتے کہ اس طرح محصورین کی تعداد میں کمی آتی اور اسلام کو نقصان پہنچتا لیکن ایسا کچھ بھی نہیں ہوا' تو کیا یہ بات صد فی صد یقینی نہیں ہو جاتی کہ ان سب محصورین کے تمام اخراجات حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم اپنے اس مال سے ادا کرتے تھے جو ان کے پاس تھا یا ان کے شریکِ تجارت اشیاءِ ضرورت انھیں مہیا کرتے تھے۔ حکیم بن حزام یا ہشام بن عمرو کو تو ایک بار کفار قریش نے دیکھ لیا تھا' ممکن ہے انھیں یا دوسرے شرکاء تجارت کو دسیوں بیسیوں مرتبہ کوئی نہ دیکھ سکا ہو۔

ہجرتِ مدینہ

جب میرے آقا حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم مکۂ مکرمہ سے مدینۂ طیبہ کو چلے تو آپؐ کی کسمپرسی اور غریبی کا ذکر سیرت نگار حضرات نہ بھی کریں، تو بھی اندازہ یہی ہوتا ہے کہ گھر میں سوائے لوگوں کی امانتوں کے، اور کچھ نہ تھا۔ وہ حضرت علیؓ کے حوالے کی گئیں اور حضرت ابوبکر صدیقؓ کے ہمراہ حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم یثرب کو مدینۃ النبی (صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم) بنانے چل پڑے۔ لیکن جیسا کہ پہلے ذکر کیا جا چکا ہے، اس موقع پر قصویٰ اونٹنی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت ابوبکرؓ سے خریدی تھی اور نو سو درہم میں۔ کیا یہ کسی غریب شخص کے بس کی بات تھی۔

مواخات کی انوکھی مثال

مدینۂ طیبہ میں پہنچنے پر حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم نے مہاجرین اور انصار میں مواخات کا اجرا فرمایا۔ ایک ایک مہاجر کو، ایک ایک انصاری کا بھائی بنا دیا یہ بھائی چارہ اتنا مثالی تھا کہ انصار نے اپنے مہاجر بھائیوں کے لیے ہر قربانی دی۔ اپنی ہر چیز کے نصف کا حق دار اپنے بھائی کو قرار دیا اور وہ حق انھیں دے دیا۔ لیکن مواخات کے اس عمل میں ایک انوکھی مثال حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم نے قائم فرمائی۔ اپنے لیے کسی انصار کو بھائی قرار نہیں دیا، اس مہاجر کو بھائی بنایا جو خود آپؐ کے گھر میں پلا بڑھا تھا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت علیؓ کو اپنا بھائی قرار دیا۔

کسی سیرت نگار نے آج تک اس کی وجہ بیان نہیں کی لیکن واقعہ یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم نہ کبھی غریب تھے، نہ کبھی غریب ا.ر

مفلوک الحال ہو سکتے تھے کہ کسی انصاری کو آپؐ کی خدمت کی سعادت نصیب نہ ہوتی۔ اس لیے حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم نے مواخات کے اس عمل میں بھی کسی انصاری کو اپنا بھائی قرار دینے کے بجائے حضرت علیؓ کو اپنا بھائی بنایا۔ کہ حضرت علیؓ کی تو حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم مدد کرتے رہے تھے، کر سکتے تھے، کرتے تھے۔ اور یہ سب کچھ حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے پیشہ تجارت کی وجہ سے تھا۔

حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کی اونٹنیاں

حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ تشریف لے آئے۔ یہاں کسی پر بوجھ بننا پسند نہ فرمایا، اہلِ مدینہ میں سے کسی کے ساتھ مواخات کا رشتہ استوار نہیں کیا اور پھر بھی غزوۂ صفوان (سفوان یا بدرِ اولیٰ) میں کُرز بن جابر فہری نے مدینہ کی چراگاہ پر حملہ کیا، حضرت ذرؓ کو جو چراگاہ کے محافظ تھے، شہید کر دیا، پیڑوں کو آگ لگا دی اور مویشی ہنکا کر لے گیا۔ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی لکھتے ہیں۔ "مدینہ منورہ کی چراگاہ سے کُرز بن جابر فہری ان اونٹوں کو ہنکا کر لے گیا جن میں حضور (صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم) کے اونٹ بھی تھے"۔ (مدارج النبوت۔ جلد دوم۔ اردو ترجمہ۔ ص ۱۳۶) عبدالصمد رحمانی بھی لکھتے ہیں۔ "کُرز بن جابر نے مدینہ کی چراگاہ کو لوٹا اور مویشی کو ہنکا کر لے گیا جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اونٹ بھی تھے"۔ (حیاتِ پیغمبرِ اعظمؐ۔ ناشر مکتبۂ عالیہ۔ لاہور۔ ص ۲۵۳)

عام طور پر سیرت کی کتابوں میں لکھا ہے کہ یہ غزوۂ بدرِ اولیٰ یا غزوۂ صفوان ۲ ہجری میں ہوا۔ لیکن ابنِ اسحاق کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ

وسلم کو مدینۂ منورہ تشریف لائے ابھی دس دن سے زیادہ نہ ہوئے تھے کہ یہ واقعہ پیش آیا (سیرتُ النبیؐ کامل۔ مرتبہ ابنِ ہشام۔ جلد اول۔ اردو ترجمہ۔ ص ۶۹۳)
عبدالصمد رحمانی ابنِ اسحاق کے حوالے سے بیان کردہ ابنِ ہشام کی اس روایت کا ذکر کر کے لکھتے ہیں کہ طبقات میں ابنِ سعد نے لکھا ہے کہ ماہ ربیع الاول ۲ ہجری کا واقعہ ہے مگر کسی روایت کا حوالہ نہیں دیا' اس لیے ترجیح ابنِ ہشام کی روایت کو ہے۔ (حیاتِ پیغمبرِ اعظمؐ۔ ص ۲۵۳)

اب آپ قصویٰ کی قیمت کو ذہن میں رکھیے اور اس حقیقت کو بھی کہ یہ اونٹنی حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اپنے سب سے عزیز دوست سے خریدی تھی' پھر یہ یاد رکھیے کہ انصار میں سے کسی کے ساتھ آپؐ نے مواخات بھی نہیں فرمائی' اور پھر دیکھیے کہ مدینۂ منورہ تشریف لانے کے چند دن بعد جو اونٹ کُرز بن جابر چرا کر لے گیا تھا' ان میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے اونٹ بھی تھے ------ اب سوچیے کہ آقا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو غریب قرار دینے والے حضرات اپنے دعوے میں کس حد تک سچے ہیں۔

اگر یہ واقعہ ربیع الاول ۲ ہجری کا بھی ہو تو بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو مدینۂ طیبہ میں تشریف لائے ایک ہی سال ہوا تھا نا۔ آپؐ نے اگر ربیع الاول سن ایک ہجری میں تجارت کا شغل اختیار نہیں کر رکھا تھا' یا تجارت کی کمائی پہلے سے آپؐ کے پاس نہیں تھی تو ایک سال میں کون سا ایسا کام ہوا تھا جس سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کئی اونٹوں کے مالک بن گئے تھے۔ جبکہ آپؐ نے انصارِ مدینہ کے ساتھ مواخات کا رشتہ بھی نہیں باندھا تھا اور "غزوۂ صفوان" تک کہیں سے مالِ غنیمت بھی نہیں آیا۔ ویسے مالِ غنیمت سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اپنی ذات کے لیے کیا لیتے تھے؟ یہ بھی ایسا سوال ہے جس کا جواب نفی میں ہے۔

غزوۂ خیبر سے تین دن پہلے (عبدالرؤف دانا پوری۔ اصح السیر۔ ص ۱۵۸) غزوۂ غابہ یا غزوۂ ذی قرد کی جو صورت پیدا ہوئی تھی' اس میں بھی عرینہ کے کچھ لوگ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوئے' اسلام قبول کیا لیکن بیمار ہو گئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے یسار الراعیؓ (یہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے غلام تھے اور چرواہے کا کام کرتے تھے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے انھیں آزاد فرما دیا تھا اور اپنے اونٹوں کی رکھوالی کا کام سپرد کیا تھا"۔ (غلامانِ محمدؐ۔ ص ۲۳۳) کو حکم دیا کہ انھیں اپنے ساتھ چراگاہ میں لے جائیں اور جب تک وہ بیمار رہیں' ان کی تیمارداری کرتے اور اونٹوں کا دودھ پلاتے رہیں۔ جب وہ تندرست ہوئے تو حضرت یسارؓ کو شہید کر کے اونٹ لے گئے۔

بخاری شریف میں ہے کہ یہ آٹھ دس اونٹ تھے۔ دمیاطی کے نزدیک یہ دودھ دینے والی پندرہ اونٹنیاں تھیں۔ (سیرتِ محمدیہؐ۔ جلد اول۔ ص ۴۴۰) "المواہب اللدنیہ" میں ہے کہ یہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی اونٹنیاں تھیں (سیرتِ محمدیہؐ۔ جلد اول۔ ص ۴۴۰) طبقاتِ ابنِ سعد میں ہے۔ "عبدالرحمان بن عینیہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اونٹوں کو لوٹ لیا اور چرواہے کو قتل کر دیا۔ حضرت سلمہؓ بن اکوع کہتے ہیں' میں نے رباح سے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر کر دو کہ ان کے جانور لوٹ لیے گئے"۔ (طبقاتِ ابنِ سعد۔ حصہ اول۔ اخبار النبیؐ۔ اردو ترجمہ۔ ص ۴۲۵) ابنِ اثیر نے بھی یہی لکھا ہے۔ (اُسد الغابہ۔ جلد ۴۔ ص ۱۳۵) راجا محمد شریف نے لکھا ہے۔ "بلادِ غطفان کے قریب ذی قردہ ایک چشمہ کا نام ہے۔ یہاں رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اونٹنیوں کی چراگاہ تھی۔ یہ جگہ کوہِ سلع کے پاس ہونے کے باعث سرسبز و شاداب تھی"۔ (حیاتِ رسالتمآبؐ۔ ص ۳۰۸) ڈاکٹر

نثار احمد کہتے ہیں کہ عینیہ بن حسن بن حذیفہ بن بدر الفزاری الغابہ کی سرکاری چراگاہ پر حملہ آور ہوا اور رسول اللہ (صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم) کی بیس اونٹنیاں ہنکا کر لے گیا (نقوش۔ رسولؐ نمبر۔ جلد ۵۔ ص ۱۳۲۔ مضمون "عہدِ نبویؐ میں ریاست کا نشو و ارتقا") عبدالباری نے بھی یہی لکھا ہے کہ "ذو قرد" میں جو مدینہ سے تقریباً چھ میل دور ہو گا' آنحضرت (صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم) کی اونٹنیوں کی چراگاہ تھی۔ (عبدالباری۔ رسولؐ کریم کی جنگی اسکیم۔ ص ۱۳۶)

مطلب یہ کہ ربیع الآخر ۶ ہجری میں غزوۂ غابہ کا جو واقعہ پیش آیا' اس میں بھی آقا حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کی پندرہ بیس اونٹنیاں لے جائی گئی تھیں۔ جو حضرت سلمہؓ بن اکوعؓ کی جانبازی' بہادری اور پھرتی کے سبب واپس ہوئیں۔ اور یہ مویشی کوہِ سلع کے قریب واقع چشمے کی چراگاہ میں تھیں۔

یعنی حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم نے جب یثرب کو عزت بخشی اور اسے طیبہ بنایا' اس وقت بھی ان کے پاس اونٹ تھے' سن ۶ ہجری میں بھی ایک چراگاہ میں آپؐ کے اونٹ ہونے اور چوری ہونے کی اطلاع تو سیرت کی موجودہ کتابوں ہی سے مل گئی ہے۔ پھر سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم غریب کیونکر ٹھہرے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس جو مزید اونٹ تھے' ان کا ذکر ان جانوروں کے تذکرے میں ہو گا جو حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کی ملکیت تھے۔

حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم جُود و سخا فرماتے تھے

حضور حبیبِ خدا صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کی حیاتِ پاک میں ایسے

واقعات کی تعداد ان گنت ہے جن میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اپنے در پہ آنے والوں کو نواز دیا، کسی کو خالی نہیں بھیجا، سوال کرنے والے کو آیندہ کے لیے اس قابل نہیں چھوڑا کہ سائل رہے۔ چند ایک مثالیں صرف اس نقطۂ نظر سے نقل کی جاتی ہیں کہ آپؐ کے جُود و سخا اور الطاف و عنایات کے ان "مشتے نمونہ از خروارے" قسم کے واقعات سے اندازہ ہو سکے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی عسرت و تنگ دستی کی کہانیاں کسی طرح لائق توجہ نہیں۔
عبدالرحمٰن ابنِ جوزی لکھتے ہیں کہ ایک شخص حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور مدد کی درخواست کی۔ آقا حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اسے کچھ عطا فرمایا مگر وہ اس پر راضی نہ ہوا۔ آخر حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اسے مزید عطا فرمایا تو وہ خوش ہو گیا۔ (الوفا باحوالِ المصطفیٰؐ۔ ص ۴۷۷)

ابن اثیر کہتے ہیں، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت نوفل کو دو مکان مرحمت فرمائے۔ ایک رحبہ القضا میں جو مسجدِ نبوی (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) سے متصل تھا، اور دوسرا بازار میں، ثنیۃ الوداع کے راستے پر۔ (معین الدین ندوی۔ سیر صحابہ۔ جلد سوم۔ مہاجرین حصہ دوم۔ ص ۲۳۴)

سُننِ نسائی میں ہے کہ حضرت عمرؓ نے سو غلاموں کے بدلے سو درختوں کا ایک باغ خریدا تھا اور سو درخت انھیں خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عطا فرمائے تھے۔ (عبدالسلام ندوی۔ سیرُ الصحابہ۔ ہشتم و نہم یعنی اسوۂ صحابہؓ۔ حصہ دوم۔ ص ۸۰)

عبدالرحمٰن ابنِ جوزی لکھتے ہیں کہ ایک اعرابی کی اونٹنی کو احباب کے کہنے پر حضرت نعیمانؓ نے ذبح کر دیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو معلوم ہوا تو آپؐ نے اعرابی کو اپنی طرف سے بدلہ عطا فرما کر اعرابی کو راضی فرمایا اور

ذبح کی ہوئی اونٹنی صحابۂ کرام کو کھلا دی۔ (الوفا۔ ص ۵۱۸٬ ۵۱۹)

مسلم شریف، کتاب الفضائل میں ہے، ایک بار ایک شخص نے حضور رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم سے بہت بکریاں سی مانگیں۔ آپؐ نے اس کا سوال پورا کیا۔ اس پر اس فیاضی کا یہ اثر ہوا کہ اپنے قبیلے میں جا کر کہنے لگا، لوگو! مسلمان ہو جاؤ کیونکہ محمد (صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم) اس قدر دیتے ہیں کہ ان کو اپنے تنگدست ہو جانے کا بھی خوف نہیں ہوتا۔ (اسوۂ صحابہ۔ حصہ اول۔ ص ۲۹)

کیا یہ محض چند واقعات اس حقیقت کو ظاہر کرنے اور ثابت کرنے میں ممد نہیں ہو سکتے کہ حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم اپنی حیاتِ مبارکہ کے کسی مرحلے میں بھی غریب اور عُسرت زدہ نہیں تھے۔ صرف اس بات سے ہمارے سیرت نگار حضرات نے غریبی کی کہانیاں تراش لی ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے گھر کئی کئی دن کھانے کو کچھ نہ پکتا تھا اور آپؐ پیٹ پر پتھر باندھ لیتے تھے۔

حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کا اپنی کمائی ضرورت مندوں میں تقسیم کر دینا اور خود بھوکا رہنا اور اپنے اہل و عیال کو بھوکا رکھنا اس مقصد کے لیے تھا کہ امت کے لوگ بھی ٹھونس ٹھونس کر کھانے کے بجائے بھوکے رہ کر دوسروں کی مدد کرنا سیکھیں اور اسلامی معاشرے میں معاشی طبقات جنم نہ لے سکیں۔ سب کچھ ہوتے ہوئے بھی بھوکا رہنا اور دوسروں کو کھلا دینا سُنّتِ نبویؐ ہے۔ جس کی تقلید کا خیال بھی سنت کا مُبلّغوں کو شاید کبھی نہ آیا ہو۔

حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم ہدیے کے جواب میں ہدیہ عطا فرماتے تھے

بخاری شریف میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کو لوگ ہدیۃ"

کچھ پیش کرتے تھے کیونکہ آپؐ نے صدقہ تو اپنے اور اپنے خاندان کے لیے حرام کر رکھا تھا۔ (بخاری۔ کتاب الصدقہ باب مایذکر فی صدقۃ النبیؐ) ابنِ حزم ظاہری کہتے ہیں۔ "اگر کوئی ہدیہ یا تحفہ پیش کرتا تو اس کو قبول کرتے اور نہ کھاتے۔ کوئی چیز آپؐ کو پیش کی جاتی تو آپؐ دریافت فرماتے کہ یہ صدقہ ہے یا ہدیہ۔ ہدیہ ہوتا تو قبول فرما لیتے ورنہ احتراز کرتے تھے"۔ (جوامع السیرۃ۔ ص ۷۳)

جہاں جہاں حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کے صدقہ قبول نہ کرنے اور ہدیہ قبول کرنے کی بات کی جاتی ہے' اس سے تأثر یہی دیا جاتا ہے کہ ہدایا کی وجہ سے حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کی گزران ہوتی تھی اور شاید ہمارے مولوی اور پیر اسی "سنت" پر عمل کرتے ہوئے لوگوں سے ہدیے وصول کرتے ہیں اور اپنے گھر بھرتے ہیں۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم نے اپنا ذریعۂ معاش ہمیشہ تجارت ہی کو رکھا اور یہ بات بالکل غلط ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کے پاس ہدیے کے طور پر کچھ آجاتا تھا تو کھانا پکتا تھا' ورنہ فاقے کرنے پڑتے تھے۔

ہدیے کے معاملے میں تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا رویّہ یہ تھا کہ ہدایا باہمی طور پر ہوں۔ (ماہنامہ "فکر و نظر" اسلام آباد۔ مارچ ۱۹۸۴۔ ص ۱۳) اس سلسلے میں آپؐ کا طرزِ عمل یہ تھا کہ ہدیہ دینے والے کو ویسا یا اس سے بہتر لوٹانا چاہیے۔ آپؐ فرمایا کرتے تھے کہ "باہم ایک دوسرے کو ہدیے بھیجو کیونکہ یہ دلوں کے بُغض کو گنواتا ہے"۔ (مشکوٰۃ المصابیح۔ باب العطایا) ایک دفعہ قبیلہ بنی فزارہ کے ایک شخص نے آپؐ کی خدمت میں ہدیۃً ایک اونٹنی پیش کی۔ آپؐ نے اس کا صلہ دیا تو وہ سخت ناراض ہوا۔ آپ (صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم) نے منبر پر کھڑے ہو کر خطاب عام کیا اور فرمایا کہ تم لوگ مجھے ہدیہ دیتے ہو اور میں

بقدرِ استطاعت اس کا صلہ دیتا ہوں تو ناراض ہوتے ہو۔ آیندہ میں قریش' انصار' ثقیف اور دوس کے سوا کسی قبیلے کا ہدیہ قبول نہ کروں گا"۔ (ادب المفرد۔ بحوالہ "آنحضورؐ کی معاشی و معاشرتی زندگی" از خالد علوی۔ دو ماہی "اسلامی تعلیم" لاہور۔ جنوری فروری ۱۹۷۳۔ ص ۴۳)

ہدیے کے بارے میں ایک دلچسپ صورت حال ابنِ کثیر نے یوں بیان کی ہے کہ حضرت حمارؓ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کی خدمت میں کوئی نہ کوئی تحفہ لے آتے اور بعد میں آپ صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کرتے کہ جو تحفہ میں نے آپؐ کو دیا ہے' اس کا مالک رقم کا تقاضا کر رہا ہے' آپ اس کی قیمت دے دیں تاکہ میں اس کے مالک کو دے سکوں۔ حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم مسکراتے اور اس کو رقم دینے کا حکم فرماتے۔ (اسد الغابہ۔ جلد ۳۔ ص ۶۱)

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم اپنے اصول کے مطابق حضرت حمارؓ کے ہدیے کے جواب میں ہدیہ بھی عطا فرما دیتے ہوں گے' پھر ان کے ہدیے کی قیمت بھی دلوا دیتے ہوں گے۔ لیکن یہ بات ذہن میں رکھیے کہ حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کسی کو کوئی چیز' یا کسی چیز کی قیمت دلواتے تھے' صرف اپنے کسی شریکِ تجارت سے' اپنے حساب میں۔

یہ تو ہو ہی نہیں سکتا کہ حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کوئی چیز خود خریدیں' یا کوئی ہدیہ خود قبول فرمائیں' اور اس کا معاوضہ یا صلہ کسی دوسرے کی جیب سے دلوائیں۔

ہدیے کے سلسلے میں ایک اور غلط فہمی کا ازالہ بھی ضروری ہے۔ سیرتِ مطہرہ کی کتابوں کے مطالعوں سے شبہہ ہوتا ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم مدینۂ طیبہ میں سربراہِ مملکت تھے' ہدیے اس وقت زیادہ آتے تھے۔

اس سے یہ بدگمانی جنم لے سکتی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم حاکم تھے' اس لیے ہدیے آتے تھے اور حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم انھیں وصول فرماتے تھے۔ کیونکہ ہر کتاب میں بار بار یہ لکھا ہوا ملتا ہے کہ حضورِ پُرنور علیہ الصلوٰۃ والسلام صدقہ نہیں دیتے تھے۔ ہاں' ہدیے سے انکار نہیں فرماتے تھے۔

حالانکہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم ہدیہ وصول فرما کر' ہدیہ دینے والے کو جواباً" ہدیہ عطا فرماتے تھے اور اگر کوئی دوسرا شخص یہ ہدیہ لے کر آتا تھا تو لانے والے کو انعام بھی عطا فرماتے تھے۔ اس سے بھی حاکموں کو ہدیہ وصول کرنے کا جواز ختم ہو جاتا ہے لیکن یہ بھی ہے کہ ایک دفعہ ایک صاحبِ مال نے عامل کو زکوٰۃ کے علاوہ کچھ ہدیہ بھی دیا۔ عاملین بڑے راست باز ہوتے تھے۔ انھوں نے حضورِ اکرم (صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم) کی خدمت میں حاضر ہو کر سچ سچ بتا دیا کہ یہ مالِ زکوٰۃ ہے' اور مجھے ہدیہ ملا ہے۔ اس پر حضورِ اکرم (صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم) طیش میں آ گئے اور منبر پر کھڑے ہو کر خطبہ دیا کہ "کچھ لوگوں کو میں عامل بنا کر بھیجتا ہوں اور وہ آ کر یوں اور یوں کہتے ہیں۔ بھلا اگر وہ ماں باپ کے گھر میں بیٹھے رہتے تو ان کو ایسے ہدیے مل سکتے تھے؟" (عبدالرحمان کیلانی۔ اسلام میں ضابطۂ تجارت۔ ص ۱۳۵)

اس سے جہاں ہمارے لیے سبق ہے' وہاں حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کی حیاتِ طیبہ کا یہ روشن پہلو بھی سامنے آ جاتا ہے کہ آپؐ اپنی حیثیت کی وجہ سے ہدیہ قبول نہیں فرماتے تھے۔ ہدیہ اگر محبت و عقیدت کے جذبے کی بنیاد پر ہوتا تھا تو قبول فرما لیتے تھے لیکن اس کے جواب میں عام طور پر اس ہدیے کی قیمت سے زیادہ ہدیہ عطا بھی فرماتے تھے۔ ہمارے مولویوں اور پیروں کو' حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کی یہ سُنّت تو خیر نظر ہی نہیں آتی ہو گی۔

حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم انعام عطا فرماتے

ابنِ حزم ظاہری نے تو ہدیے کے بارے میں یہ بھی لکھا ہے کہ "آپ (صلی اللہ علیہ و آلہٖ و سلم) نے ہدیہ لیا' دیا ہے اور ہدیہ لانے والے کو انعام بھی دیا ہے"۔ (جوامع السیرۃ۔ ص ۱۱۱)

لوگ ہدیے وصول کرنے کی بات کرتے ہیں' یہاں حقیقت یہ نکلتی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ و سلم نہ صرف ہدیے کے جواب میں ہدیہ عطا فرماتے ہیں' بلکہ اگر کسی کا ہدیہ کوئی اور لاتا ہے تو اس کو انعام بھی فرماتے ہیں۔

انعام کی بات چلی ہے تو دیکھیے کہ ابنِ قیم جوزی کیا کہتے ہیں۔ "حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ و آلہٖ و سلم شعر بھی سنتے اور اس پر انعام بھی دیتے"۔ (اسوۂ حسنہ۔ ص ۱۱۳)

حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ و سلم خریداری فرماتے

مولانا محمد صدیق ہزاروی لکھتے ہیں۔ "اگرچہ نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کی خدمت میں صحابہ کرامؓ اشیاءِ ضرورت بلامعاوضہ پیش کرنے کو سعادت سمجھتے تھے۔ لیکن آپؐ نے ہمیشہ قیمت ادا کر کے کوئی چیز حاصل کرنا ضروری سمجھا اور کسب کی فضیلت کو واضح کیا۔ یہی نہیں بلکہ بعض اوقات تو ایسا بھی ہوا کہ کوئی چیز خریدی۔ پھر بائع کو قیمت ادا کر کے وہ چیز بھی واپس کر دی اور اکثر یوں بھی ہوتا کہ مقررہ قیمت سے کچھ زائد ادا کر دیا جاتا جسے آپؐ بطورِ تحفہ عنایت فرماتے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں' میں رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تھا۔ آپؐ نے فرمایا' تم اپنا اونٹ میرے ہاتھ فروخت کر دو۔ میں نے عرض کیا' یا رسولَ اللہ (صلی اللہ علیکَ و سلم) وہ آپ ہی کا ہے۔ آپؐ نے فرمایا' نہیں' بیچ دو۔ میں نے عرض کیا' یا رسولَ اللہ (صلی اللہ علیکَ و سلم) وہ

آپ ہی کا ہے۔ آپؐ نے فرمایا، نہیں بیچ دو۔ میں نے کہا، بیچ دیا۔ آپؐ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے فرمایا، اس کی قیمت ادا کر دو اور کچھ زائد بھی دے دو۔ جب مجھے قیمت ادا کی جانے لگی تو میں نے عرض کیا، یا رسولَ اللہ (صلی اللہ علیکَ وسلم) اس سے تو بہتر ہے، آپ میرا اونٹ مجھے واپس کر دیں۔ آپ نے فرمایا، جاؤ اونٹ اور قیمت دونوں لے جاؤ اور میرے لیے دعا بھی فرمائی"۔ (ماہنامہ "الجامعہ" جامعہ محمدی شریف جھنگ۔ سیرت نمبر۔ اکتوبر نومبر ۱۹۸۶۔ ص ۲۹۸، ۲۹۹۔ مضمون خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی معاشی زندگی از محمد صدیق ہزاروی)

شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے "مدارج النبوت" میں، سید جمال حسینی نے "روضۃ الاحباب" میں اور ابن ہشام نے سیرت میں یہ واقعہ درج کیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ غزوۂ ذات الرقاع سے واپسی کا ہے۔ ابن ہشام لکھتے ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اونٹ بھی حضرت جابر کو دے دیا اور ایک اوقیہ سونا قیمت بھی دی (سیرتُ النبیؐ کامل۔ جلد دوم۔ ص ۲۳۹) جمال حسینی کہتے ہیں، یہ اونٹنی چالیس درہم میں خریدی، اونٹنی بھی انھیں دے دی اور ان کے والد کا قرضہ بھی ادا کر دیا۔ (رسالتمآبؐ۔ ص ۲۶۴) شیخ عبدالحق محدث دہلوی اونٹ کی قیمت نہیں لکھتے البتہ یہ کہتے ہیں کہ قیمت بھی ادا کر دی، اونٹ بھی واپس کر دیا۔ (مدارج النبوت۔ جلد دوم۔ ص ۳۲۵) میں نے غزوۂ ذات الرقاع کے ذکر میں، اپنی کتاب "حیاتِ طیبہ میں پیر کے دن کی اہمیت" میں بھی یہ واقعہ نقل کیا ہے۔ (ص ۱۲۶)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نہ صرف یہ کہ صحابۂ کرامؓ سے قیمت کے بغیر کوئی چیز نہیں لیتے تھے بلکہ یہ کہ چیز کی قیمت ادا کر کے بعض اوقات چیز بھی واپس عنایت فرما دیتے تھے۔ اس پر طرّہ یہ کہ ان

کے قرض بھی ادا فرما دیتے تھے۔ غور فرمایئے کہ یہ سب کچھ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنی تنگ دستی اور غریبی کے بل بوتے پر تھوڑے ہی کرتے ہوں گے۔

میں پہلے عرض کر چکی ہوں کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ و آلہٖ و سلم کوئی چیز خریدتے تو اس کی قیمت اپنے کسی شریک تجارت سے دلواتے تھے اور وہی صحابی آپ کی تجارت کا حساب کتاب بھی رکھتے تھے۔ لیکن کبھی ایسا ہوتا کہ رقم آپؐ کا کوئی سیکرٹری ادا کرتا تھا۔ یہ جو حضرت جابرؓ کو اونٹ کی قیمت ادا ہوئی' یہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے دلوائی گئی۔ ڈاکٹر محمد یاسین مظہر صدیقی لکھتے ہیں۔

"رسولِ کریم صلی اللہ علیہ و سلم کے سیکرٹریوں پر بحث کے اختتام پر حضرت بلالِ حبشیؓ کے مقام و مرتبہ پر گفتگو ضروری معلوم ہوتی ہے۔ غالباً وہ کبھی اسلامی ریاست کے شعبہؑ کا تعین میں شامل نہیں رہے لیکن جہاں تک لفظ سیکرٹری کا تعلق ہے' وہ صحیح معنوں میں اس کے حق دار تھے۔ وہ سفر و حضر' دکھ سکھ' امن و جنگ' کسی بھی عالم میں صحبتِ نبوی (صلی اللہ علیہ و آلہٖ و سلم) سے دور نہیں رہتے تھے۔ تعلقِ خاطر ان کو کہیں اور چین نہیں لینے دیتا تھا اور خود رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ و آلہٖ و سلم بھی ان کو بہت عزیز رکھتے تھے۔ مآخذ کا بیان ہے کہ وہ آپؐ کے بیشتر ذاتی اور سرکاری کاموں اور ضروریات کی تکمیل کرتے تھے"۔ (نقوش۔ جلد ۵۔ ص ۵۹۴۔ "عہدِ نبوی میں تنظیم رسالت و حکومت")

اُسُد الغابہ میں ہے کہ حضرت بلالؓ حبشی رسولِ کریم صلی اللہ علیہ و سلم کے خازن (خزانچی) بھی تھے اور اپنے کپڑے (یا جیب) میں چاندی رکھا کرتے تھے۔ یہ خام چاندی بھی ہوتی تھی جو وزن کے اعتبار سے سکوں کی جگہ استعمال ہوتی تھی یا ڈھلے ہوئے سکے بھی ہوتے تھے۔ اس بیان کی تصدیق ابنِ اسحاق جیسے متعدد ابتدائی مآخذ سے ہوتی ہے۔ چنانچہ غزوۂ ذات الرقاع کے دوران جب رسولِ کریم صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم نے ایک صحابی سے ایک اونٹ ایک اوقیہ

چاندی (چالیس درہم) میں خریدا تھا تو اس کی ادائیگی حضرت بلالؓ ہی نے ہدایت نبویؐ کے بموجب کچھ اضافہ و انعام کے ساتھ کی تھی۔ اس کے علاوہ بعض اور خریداروں کی رقم بھی حضرت بلالؓ نے ادا کی تھی جس کے حوالے ماخذ میں جابجا ملتے ہیں۔" (نقوش۔ جلد ۵۔ ص ۵۹۴)

قصویٰ کی خریداری کا ذکر پہلے بھی آ چکا ہے۔ "ہجرت کے موقع پر حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کے اصرار کے باوجود آپؐ نے قیمت ادا کیے بغیر اونٹنی قبول نہ کی"۔ (الجامعہ۔ سیرت نمبر۔ اکتوبر نومبر ۱۹۸۶ / ربیع الاول ۱۴۰۷ھ۔ ص ۲۹۹)

دار قطنی میں ہے' ایک دفعہ مدینہُ منورہ کے باہر ایک مختصر سا قافلہ آکر فروکش ہوا تھا۔ ایک سرخ رنگ کا اونٹ ان کے ساتھ تھا۔ اتفاقاً" آپ (صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم) ادھر سے گزرے تو آپ نے اونٹ کی قیمت پوچھی۔ لوگوں نے قیمت بتائی۔ بے مول تول کیے' آنحضرت (صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم) نے وہی قیمت منظور کر لی اور اونٹ کی مہار پکڑ کر شہر کی طرف روانہ ہو گئے۔ بعد میں لوگوں کو خیال آیا کہ بے جان پہچان ہم نے جانور کیوں حوالے کر دیا۔ سب پشیمان تھے۔ قافلے کے ساتھ ایک خاتون بھی تھی' اس نے کہا' مطمئن رہو۔ ہم نے کسی شخص کا چہرہ ایسا روشن نہیں دیکھا یعنی ایسا شخص دغا نہیں کرے گا۔ رات ہوئی تو آپؐ نے ان کے لیے کھانا اور قیمت بھر کھجوریں بھجوا دیں۔ (دار قطنی۔ جلد دوم۔ کتاب الیبوع) نقوش میں سیرتِ ابنِ اسحاق کا جو ترجمہ شائع کیا گیا ہے' اس میں بھی یہ واقعہ تفصیل سے درج ہے۔ (نقوش۔ رسولؐ نمبر۔ جلد ۱۱۔ ص ۲۵۰)

غزوۂ سفوان اور غزوۂ غابہ کے حوالے سے حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کے اونٹوں کا ذکر پہلے بھی ہو چکا ہے۔ خریداری کے مذکورہ بالا چند حوالے

بھی اس حقیقت کی طرف واضح اشارہ کر رہے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کو غریب اور مالی تنگدستی کا شکار ثابت کرنے کی کوششیں محض بے جواز ہیں۔ جو جانور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ملکیت تھے' ان کا مزید ذکر آگے آئے گا۔ فی الحال خریداری کے حوالے سے دو ایک واقعات اور ملاحظہ فرمالیں تاکہ قارئینِ کرام حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کی معاشی زندگی کی اصلیت جان سکیں۔

ابنِ سعد' حضرت اُسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کے ذکر میں کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ ایک مشرک شخص ذی یزن نامی نے حکیم بن حزام کی معرفت ایک بیش قیمت حلّہ آپ (صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم) کی خدمت میں بطورِ ہدیہ پیش کیا۔ حضور (صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم) نے ایک مشرک سے ہدیہ قبول کرنا گوارا نہ فرمایا لیکن چونکہ حضور (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کسی کا دل بھی نہ توڑنا چاہتے تھے' اس لیے آپؐ نے اسے پچاس دینار میں خرید لیا اور ایک مرتبہ پہن کر اسامہؓ کو دے دیا۔ (غلامانِ محمدؐ۔ ص ۳۱ / اظہر محمود۔ حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کے سیاہ فام رفقا۔ ص ٦٠)

طالب ہاشمی نے حکیم بن حزام کے حوالے سے یہ واقعہ یوں بیان کیا ہے: "ایک بار حکیم بن حزام نے ایک قیمتی حلّہ آقا حضور (صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم) کی خدمتِ اقدس میں تحفہ کے طور پر پیش کیا۔ مگر آپؐ نے اسے لینے سے انکار کیا اور فرمایا۔ "میں مشرکین سے ہدیہ نہیں لیتا۔ اگر آپ چاہیں تو میں قیمت ادا کر کے یہ حلہ لے سکتا ہوں"۔ (طالب ہاشمی۔ آسمانِ ہدایت کے ستر ستارے۔ ص ۲۰۲) اس سے یہ تو ظاہر ہے کہ بیش قیمت حلّہ خریدنے کی استطاعت تو بہرحال حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم رکھتے تھے۔

ابنِ اثیر نے نوفل بن حارث کے پوتے کے ذکر میں بیان کیا ہے کہ

عبداللہ بن حارث بن نوفل کہتے ہیں، نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک حلّہ ۲۷۔ اونٹنیوں کے عوض خریدا تھا اور اس کو پہنا بھی کرتے تھے۔ (اسد الغابہ۔ جلد ۵۔ ص ۱۸۷)

اب فرمایئے، کیا واقعی مجھے ان واقعات کو جان کر بھی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو غریب کہے جانا چاہیے؟

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حلّے فروخت کیے

حضرت نوّاس بن سمعان رضی اللہ عنہ کا ذکر پہلے آچکا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ابھی مکہ ہی میں تھے کہ یہ آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ پھر رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دو حلّے دے کر انھیں خرید و فروخت کے لیے یمن کو روانہ کیا (اسد الغابہ۔ جلد ۹۔ ص ۸۶)

اور، سُننِ ابو داؤد میں حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ کو منع فرمایا ایسی چیز کے فروخت کرنے سے، جو میری ملکیت نہیں (سُننِ ابوداؤد۔ کتاب البیوع) یہ حدیثِ پاک جامع ترمذی اور سُننِ نسائی میں بھی ہے (حفظ الرحمان سیوہاروی۔ اسلام کا اقتصادی نظام۔ ص ۲۷۱ / عبدالرحمان کیلانی۔ اسلام میں ضابطۂ تجارت۔ ص ۸۶، ۸۷)

مقصد یہ ہوا کہ کچھ حلّے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے استعمال کے لیے خریدے، خود استعمال فرمائے یا کسی کو عطا فرما دے۔ کچھ حلّے فروخت کے مقصد کے لیے بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس رکھے رہتے تھے۔ جنھیں آپؐ کے شرکاءِ تجارت فروخت کے لیے لے جاتے تھے۔ اور خود سرکار

صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کے ارشاد کے مطابق جو چیز حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم فروخت کے لیے بھیجتے تھے' وہ کسی اور کی ملکیت نہیں ہو سکتی تھی۔

تجارتی منڈیوں میں حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کا تجارت کے مقصد کے لیے تشریف لے جانا تو ثابت ہے۔ ذی المجاز کے تجارتی میلے کا ذکر بھی پہلے آ چکا ہے جس میں حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم نے تبلیغ فرمائی تو ابولہب نے آپؐ کا پیچھا کیا' وہ آپؐ کو پتھر مارتا تھا اور برا بھلا کہتا تھا۔ ابن اسحاق میں ہے' طارق بن عبداللہ المحاربی نے کہا' میں نے ایک دفعہ ذی المجاز میں حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کو دیکھا۔ میں وہاں خرید و فرخت کے لیے گیا ہوا تھا۔ آنحضرت (صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم) ہمارے پاس سے گزرے۔ آپؐ نے ایک سرخ دوشالا پہن رکھا تھا (نقوش۔ رسولؐ نمبر۔ جلد ۱۱۔ ص ۲۴۹) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تبلیغ اسلام کے ابتدائی دنوں میں بھی حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کی مالی حیثیت وہ نہیں تھی جس کا نقشہ ہمارے محترم سیرت نگار کھینچتے ہیں بلکہ آپؐ نے سرخ دوشالا پہن رکھا تھا۔ اس سے اس بات کو بھی تقویت پہنچتی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کا ہر تبلیغی سفر تجارتی سفر بھی ہوتا تھا۔

حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم قرضہ لیتے تھے

کہیں کہیں سیرت مطہرہ کی کتابوں میں حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کے قرضہ لینے کی بات بھی ملتی ہے۔ اس سلسلے میں دو باتیں قابل توجہ ہیں۔ ایک تو یہ کہ تجارت پیشہ افراد کو کبھی نہ کبھی قرضہ لینے کی ضرورت پڑ ہی جاتی ہے۔ اور دوسری بات یہ ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام لوگوں سے قرضہ لیتے ہوں گے' لوگوں کو قرضہ دیتے بھی ہوں گے۔ لیکن آپؐ جیسے دریا دل' فیاض' جود و

سخا اور الطاف و عنایات کرنے والے کی شانِ عظمت سے بعید ہے کہ کسی دوسرے شخص کو اس بات کا علم ہو سکے کہ آپؐ نے فلاں کو قرض دیا ہے۔ اس لیے سیرت کی کتابوں میں صرف آپؐ کے قرضہ لینے کی بات ملتی ہے۔ مگر جہاں جہاں قرضہ لینے کی بات ہے، وہاں اس قرضے کی واپسی کا انداز بھی ملتا ہے۔

مثلاً ابنِ قیم جوزی لکھتے ہیں "معاملات میں آپؐ کا طریقہ بہترین تھا۔ قرض لیتے تو قرض سے زیادہ ادا کرتے اور قرض خواہ کے حق میں دعا فرماتے کہ اللہ تیرے مال و اولاد میں برکت عطا فرمائے۔ فرماتے کہ قرض کا معاوضہ یہ ہے کہ ادا کیا جائے اور شکر گزاری کی جائے" (ابن قیم جوزی۔ اسوۂ حسنہ۔ ص ۱۱۳) مزید لکھتے ہیں کہ آپ (صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم) نے ایک انصاری سے قرضہ لیا اور اس کو دوگنا عطا فرمایا (ایضاً"۔ ص ۱۱۳، ۱۱۴)

"سیر الصحابہ" میں ہے کہ رسول اللہ صلعم (صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم) جب قرض ادا فرماتے تو اسے تو بہترین مال دیتے تھے (سیر الصحابہ۔ جلد پنجم۔ اسوۂ صحابہ۔ حصہ اول۔ ص ۲۴۱)

امام زہری فرماتے ہیں، ایک یہودی نے کہا، میں تورات میں بیان کردہ صفاتِ نبویہ حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم میں سبھی دیکھ چکا تھا۔ صرف آپؐ کے حِلم و بُردباری کا مشاہدہ اور تجربہ نہیں کر سکتا تھا چنانچہ میں نے آپؐ کو ایک مدتِ معینہ کے لیے تیس دینار بطور قرض دیے۔ ابھی مدتِ مقررہ میں ایک دن باقی تھا کہ میں حاضر ہوا اور عرض کیا اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) مجھے میرا حق پورا پورا ادا کریں کیونکہ تم بنی عبدالمطلب ٹال مٹول اور پس و پیش سے کام لینے والے ہو۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا۔ اے یہودی کیا تو پاگل تو نہیں ہو گیا؟ بخدا اگر سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم موجود نہ ہوتے تو میں تیرا سر قلم کر دیتا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ تم سے درگزر فرمائے۔ اے ابا حفص! ہمیں تمہاری طرف سے اس سے مختلف سلوک اور برتاؤ کی ضرورت تھی۔ مجھے واجب الادا' قرض کی ادائیگی کا مشورہ دیتے اور اس کو حق لے کر دلانے میں مددگار ثابت ہوتے کیونکہ وہ اس امر کا زیادہ حاجتمند تھا۔ وہ یہودی کہتا ہے کہ میرے جہل اور احمقانہ سلوک نے آپ کے حلم و تحمل میں اضافہ کیا نہ کہ غیظ و غضب میں۔

پھر آپؐ نے فرمایا اے یہودی! تیری مقرر کردہ مدت کل پوری ہو گی اور تیرا قرض واجب الادا ہو گا۔ حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ سے فرمایا۔ اے ابا حفص! فلاں باغ کی طرف کل جانا اور یہ قرض خواہ اگر وہاں سے اپنے قرض کا عوض وصول کرنے پر رضامند نہ ہو تو پھر فلاں باغ سے اس کا قرضہ ادا کر دینا اور اتنے اتنے صاع مزید بھی دینا تاکہ جو تغلیظ و تشدید تم نے اس سے کی ہے اس کا کفارہ ہو جائے۔

حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ اس کو حسبُ الارشاد اس باغ میں لائے جس کا پہلے دن اس کی طرف سے مطالبہ ہوا تھا' وہ وہیں سے اپنا حق وصول کرنے پر رضامند ہو گیا تو حضرت عمرؓ نے حسبِ فرمانِ نبویؐ اس کا قرض وہاں سے ادا کر دیا اور جتنے اضافے کا آپ نے حکم دیا' وہ بھی ادا کر دیا۔ (الوفا باحوالِ المصطفیٰؐ۔ ص ۴۸۰' ۴۸۱)

میں نے پہلے عرض کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم لوگوں کو قرضہ دیتے بھی ہوں گے لیکن آپؐ کے خُلقِ عظیم سے بعید ہے کہ آپؐ اس کا تذکرہ فرماتے ہوں۔ اور' اگر کوئی شخص حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قرضہ لینے کو آپؐ کی غریبی پر محمول کرنا چاہے تو اس کا جواب ابن قیم جوزی کی اس تحریر میں موجود ہے اور کافی ہے۔ لکھتے ہیں۔ "آپ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کا

اعلانِ عام تھا کہ میں تمام مسلمانوں کے قرض کا ضامن ہوں۔ جو مسلمان قرضہ چھوڑ کر مرے' اس کی ادائیگی میرے ذمہ ہے" (ابنِ قیم جوزی۔ اسوۂ حسنہ۔ ص ۱۱۴')

ہمارے حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ و سلم کا اعلانِ عام یہ نہیں ہے کہ جو مسلمان قرضہ چھوڑ کر مرے' اس کو ادا کرنا مملکت اسلامیہ کی ذمہ داری ہو گی یا وہ بیت المال سے ادا کیا جائے گا۔ بلکہ اعلان یہ ہے کہ اس کی ادائی حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ و سلم کے ذمے ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ و سلم کی تنگدستی اس اعلان کی راہ میں حائل کیوں نہیں ہو سکی۔

حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ و سلم کا غلام آزاد کرنا

"روضۃ الاحباب" میں ہے۔ "آپ (صلی اللہ علیہ و آلہٖ و سلم) غلاموں کو آزاد کرنے کا بہت اہتمام فرماتے اور اس کی فضیلت بیان فرمایا کرتے تھے۔ آپؐ نے لونڈی' غلام دونوں کو آزاد کیا ہے لیکن غلاموں کی تعداد زیادہ ہے" (رسالت مآبؐ۔ جلد دوم۔ ص ۳۳۶) "غلامانِ محمدؐ" میں ہے کہ حضرت ابو کبشہؓ کو حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ و سلم نے خرید کر آزاد کر دیا (غلامانِ محمدؐ۔ ص ۱۵۵) ابنِ قتیبہ لکھتے ہیں کہ ابو کبشہ کا نام سلیم تھا۔ دوس کے مولدین میں تھے۔ ایک قول کے اعتبار سے یہ مکہ کے مولد تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم نے ان کو خرید فرما کر آزاد کیا تھا (ابنِ قتیبہ۔ سیر انبیا و صحابہ و تابعین۔ اردو ترجمہ از سلام اللہ صدیقی۔ مطبوعہ انڈیا۔ ص ۱۳۵)

اسد الغابہ میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ و سلم نے اپنے غلاموں ابوہاشمؓ اور ان کی والدہ کو آزاد کر دیا (ابنِ اثیر۔ اسد الغابہ۔ جلد ۱۱۔ ص ۲۷۵)

حضرت نبیہؓ غلام تھے، حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم نے انھیں خرید ااور آزاد کردیا (اسد الغابہ۔ جلد ۹۔ ص ۳۲۷ / سیرِ انبیا و صحابہ و تابعین۔ ص ۱۳۶)

ابولبابہؓ حضور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام تھے اور بنو قریظہ میں سے تھے۔ پہلے کسی اور شخص کے پاس تھے۔ انھوں نے اس سے مکاتبت کر لی لیکن رقم ادا نہ کر سکے۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوا تو آپؐ نے ان کے مالک کو مقررہ رقم دے کر انھیں خرید لیا اور اللہ کی راہ میں آزاد کردیا (غلامانِ محمدؐ۔ ص ۱۵۶)

حضرت شقران صالحؓ کے بارے میں ایک روایت یہ ہے کہ یہ حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کو میراث میں ملے تھے لیکن بعضوں کا بیان ہے کہ وہ پہلے عبدالرحمان بن عوفؓ کے مملوک تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو خرید کر آزادی عطا کی تھی (سیرِ انبیا و صحابہ و تابعین۔ ص ۱۳۵)

عبدالرحمان ابنِ جوزی نے حضورِ اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے آزاد کردہ غلاموں اور لونڈیوں کی فہرست یہ درج کی ہے: اسلم جن کی کنیت ابورافع ہے۔ احمر جن کی کنیت ابو عسیب ہے۔ اسامہ بن زیدؓ افلحؓ انسہؓ ایمنؓ ثوبانؓ ذکوان جن کو مہران اور طہمان بھی کہا جاتا ہے۔ رافعؓ رباحؓ زیدؓ بن حارثہؓ زید بن بولاؓ سابقؓ سالمؓ سلمان الفارسیؓ ابو کبشہ سلیم دوسیؓ ابو کندید سعیدؓ شقرانؓ جن کا نام صالح ہے، ضمیرہ بن ابی ضمیرہ، عبداللہ بن اسلم۔ عبید بن عبد الغفار۔ فضالہ یمانیؓ کیسانؓ مہرانؓ ابوعبدالرحمٰن، بقولِ ابراہیم حربی یہی حضرت سفینہ ہیں۔ البتہ دوسروں کے نزدیک حضرت سفینہ کا نام رومان ہے۔ مدعمؓ نافعؓ ابوبکرہ نفیعؓ نبیہؓ واقد، وردانؓ ہشام، یسارؓ ابوا ثیلہ ابوالحمراء، ابورافع جو کہ بہی کے والد ہیں۔ ابوالسمحؓ ابو ضمرہؓ سعد ابوعبید اور کہا گیا ہے کہ عبید۔ ابو موہبہ جو کہ مزینہ سے ہیں (وہ بھی آپؐ کے آزاد کردہ غلام ہیں) ابوواقدؓ کرکرہؓ مابورؓ

ابولبابہؓ ابو لقیطؓ ابوہند مولدی۔ امِ ایمن جن کا نام برکت ہے۔ اُمِ موبعہ خضرہ۔ رضویؓ، ریحانہ، سلمیٰ، ماریہ، میمونہ بنتِ سعد، میمونہ بنتِ ابی عسیب، ام ضمیرہ، امِ عیاش (رضی اللہ تعالیٰ عنہن) (الوفا۔ ص ۶۴۴)

سہل بن یوسف اپنے باپ کے واسطے سے اپنے دادا سے ناقل ہیں کہ نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے وصال شریف کے قریب چالیس غلام آزاد فرمائے (الوفا۔ ص ۸۰۳)

حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کی حیاتِ طیبہ کا صرف ایک یہ پہلو پیش نظر رکھیں تو بھی آپؐ کی عسرت کی کہانی مجروح ہوتی نظر آتی ہے۔

زمین حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کی ملکیت تھی

ابنِ قتیبہ لکھتے ہیں۔ "لوگوں کا بیان ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے "مھضور" جو مدینہ کے بازار کی جگہ ہے، مسلمانوں پر وقف کردی تھی۔ وہ زمین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حرث بن الحکم کے بھائی کو جاگیر میں دے دی اور باغِ فدک مروان کی جاگیر میں دے دیا۔ حالانکہ وہ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی موقوفہ جائیداد تھی"۔ (ابنِ قتیبہ۔ سیرِ انبیا و صحابہ و تابعین۔ ترجمہ از سلام اللہ صدیقی۔ مطبوعہ انڈیا۔ ص ۱۹۴) "کتاب المعارف" کے مترجم سلام اللہ صدیقی نے حاشیے میں لکھا ہے کہ "اگر ابنِ قتیبہ کی روایت صحیح ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اور بھی بہت سی زمین مسلمانوں پر وقف کی تھی۔ ان میں مھضور، فقیرین، بر قیس، بنو نضیر اور ینبع وغیرہ تھیں" (ایضاً۔ حاشیہ)

قرضے کے ذکر میں ایک واقعہ پہلے بیان کیا جاچکا ہے کہ ایک یہودی نے حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کو تیس دینار قرض دیے اور مدتِ مقررہ سے

ایک دن پہلے قرض کی واپسی کا مطالبہ کیا۔ حضرت عمرؓ نے اس کی بد تمیزی پر سختی سے اسے جواب دیا تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا' اے عمر! ہمیں تمھاری طرف سے اس سے مختلف سلوک کی توقع تھی۔ پھر اس یہودی سے فرمایا کہ تیری مقرر کردہ مدت کل پوری ہو گی اور تیرا قرض واجب الادا ہو گا۔ حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم نے حضرت فاروقِ اعظم سے فرمایا' اے ابا حفص! کل فلاں باغ کی طرف جانا' اور اس سے اس کا قرض ادا کر دینا۔ اگر راضی ہو جائے تو بہتر' ورنہ اسے اتنے اتنے صاع مزید دے دینا۔ اور اگر وہاں سے یہ اپنے قرض کا عوض وصول کرنے پر رضامند نہ ہو تو پھر فلاں باغ سے اس کا قرض ادا کرنا' اور اتنے اتنے صاع مزید بھی دینا تاکہ جو تشدید تم نے اس سے کی ہے' اس کا کفارہ ہو جائے۔

یہودی نے کھجوریں حاصل کیں اور کلمۂ طیبہ پڑھ لیا۔ اس نے حضرت عمرؓ سے کہا کہ میں حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کی جملہ علاماتِ نبوت کو پرکھنا چاہتا تھا جو تورات میں مذکور تھیں اور یہی علامت پرکھنی باقی تھی۔ اب میں نے آج کے دن آپؐ کے حلم و حوصلہ اور تحمل و بردباری کو آزمایا۔ (الوفا باحوالِ المصطفیؐ۔ ص ۲۸۱)

محمد ارشد نے اپنے مضمون "اسلام میں محنت کی عظمت" میں لکھا ہے کہ "نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم نے خود مقام جرف میں کاشت کی تھی اور اس طرف رغبت دلاتے ہوئے فرمایا"۔ "رزق کو زمین کی پنہائیوں میں تلاش کرو"۔ امام سرخسی کہتے ہیں کہ اس سے مراد زمین پر محنت یعنی کھیتی باڑی کرنا ہے۔ اسی کی عظمت میں حضور علیہ السلام نے فرمایا' جو مسلمان درخت بوتا ہے اور کھیتی کرتا ہے اور اس سے پرند' انسان اور جانور اپنی خوراک حاصل کرتے ہیں تو یہ عمل اس کے حق میں صدقہ بنتا ہے"۔ (مجلہ "فاروقِ اعظم"۔

مرتبہ محمد محبُ اللہ نوری۔ مطبوعہ بصیر پور۔ س ن۔ ص ۲۵)

ہم پہلے عرض کر چکے ہیں کہ سیرت کی کتاب لکھنے والا ہر صاحبِ علم پہلے سے یہ طے کر لیتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کو کسی حیثیت میں بھی کھاتا پیتا نظر نہیں آنا چاہیے' اس لیے دوسری معلومات کی طرح زمین کے بارے میں بھی معلومات دستیاب نہیں ہیں۔ بہر حال' متذکرہ بالا دو تین واقعات سے یہ اندازہ تو ہو ہی سکتا ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اس پہلو سے بھی غریب نہیں تھے۔

جانور جو حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کی ملکیت تھے

اونٹ

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کی اونٹنیوں کا تذکرہ پہلے آ چکا ہے۔ یہ بات بھی سامنے آ چکی ہے کہ قصویٰ اونٹنی حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم نے اپنے عزیز رفیق حضرت ابو بکرؓ سے لی تھی اور قیمت دے کر لی تھی۔ قیمت بھی اتنی کہ شاید اتنی قیمت اور کوئی نہ دیتا۔ پھر یہ بات بھی لکھی جا چکی ہے کہ غزوۂ صفوان حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مدینۂ طیبّہ پہنچنے کے دس دن بعد یا ایک سال بعد ہوا۔ اس واقعے میں جو اونٹ کُرز بن جابر فہری لے گیا تھا' ان میں حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کے اونٹ بھی تھے۔

اس سے یہ بات تو اظہر من الشمس ہے کہ جب ہجرت کا موقع آیا' حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کی عُسرت اور تنگدستی کی کہانی مجروح ہو گئی۔ لیکن کہنے والے پھر بھی کچھ نہ کچھ کہے جاتے ہیں۔ مثلاً عبد القدوس ہاشمی کہتے ہیں۔ "اللہ کے سچے رسول' اور انسانیت کے اس محسنِ اعظم (صلی اللہ علیہ و آلہٖ

وسلم) نے جب کفارِ مکہ کے مظالم سے تنگ آکر مکہ سے یثرب کی طرف ہجرت فرمائی تو نہ کوئی سرمایہ آپؐ کے پاس تھا' نہ زادِ سفر' نہ کوئی جائیداد منقولہ یا غیر منقولہ ...." (ماہنامہ "فاران" کراچی۔ سیرت نمبر۔ جنوری ۱۹۵۶۔ ص ۱۳۲)

اگر حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے پاس کچھ بھی نہ تھا تو اونٹنی کیسے خرید لی تھی اور مدینۂ طیبہ آکر چند دن بعد ہی ان کے پاس اونٹ کہاں سے آ گئے تھے۔

بہرحال' اس سلسلے میں پہلے بھی وضاحت کی جا چکی ہے۔ یہ بھی یاد دلایا جا چکا ہے کہ غزوۂ غابہ یا ذی قرد کے واقعے میں جو بیس اونٹ چرائے گئے تھے' وہ بھی حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ملکیت تھے۔ (المشاہد۔ حکیم رحمان علی۔ مطبوعہ مطبع منشی نو لکشور' لکھنؤ۔ اگست ۱۹۰۶۔ ص ۱۲۱) یہ اونٹ جیسا کہ پہلے آ چکا ہے' حضرت یسارؓ الراعی چراتے تھے۔ اصابہ فی تمیز الصحابہ میں ابنِ حجر کہتے ہیں کہ حضرت ابو سلمیٰؓ کا نام حریب تھا' یہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے غلام تھے اور یہ آپؐ کے اونٹوں کو چرایا کرتے تھے۔ (غلامانِ محمدؐ۔ ص ۱۵۰)

غابہ' مدینہ اور مکہ کے درمیان تجارتی شاہراہ کے قریب عسفان سے آٹھ میل پرے واقع چراگاہ تھی جس میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے بیس اونٹ عیینہ لے گیا تھا اور سلمہؓ بن اکوع نے اس کا پیچھا کیا تھا۔ ڈاکٹر محمد یاسین مظہر صدیقی نے اپنی کتاب "عہدِ نبویؐ میں تنظیم ریاست و حکومت" میں لکھا ہے کہ اس چراگاہ کے علاوہ ایک اور چراگاہ کا ذکر ان الفاظ میں ملتا ہے۔

"رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک اور چراگاہ "حمیٰ" ایک مضافاتی مقام پر واقع تھی جس کو "ذوالجدر" کہا جاتا تھا اور وہاں آپ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کے اونٹ بلکہ اونٹنیاں بھی (لقاح) چرا کرتی تھیں۔ واقدی کے مطابق یہ چراگاہ

مدینہ سے آٹھ میل دور واقع تھی جبکہ ابنِ سعد کا خیال ہے کہ وہ قبا کے نواح میں شہرِ نبی (علی صاحبہ الصلوٰۃ والسلام) سے صرف چھ میل دور تھی" (نقوش۔ رسولؐ نمبر۔ جلد ۵۔ ص ۶۹۱)

حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کے اونٹوں کو چرانے کے سلسلے میں مغیرہؓ بن شعبہ کا نام بھی آتا ہے۔ سیرتِ ابنِ ہشام میں ہے کہ جب وفد ثقیف جو چھ افراد پر مشتمل تھا' مدینہ کے قریب پہنچا اور قنادہ میں ٹھہرا تو وہاں مغیرہؓ بن شعبہ کو پایا جو اپنی باری سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کے اونٹ چرا رہے تھے (سیرۃُ النبیؐ کامل مرتبہ ابنِ ہشام۔ جلد دوم۔ ص ۶۴۹ / مدارج النبوت۔ جلد دوم۔ ص ۱۰۴۳) مطلب یہ کہ قنادہ میں بھی حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کے اونٹ تھے۔ اگرچہ بعض سیرت نگاروں کو یہ جان کر پریشانی لاحق ہو جاتی ہے کہ یہ اونٹ حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کے کیوں تھے' ان کے پاس تو ہم نے کچھ رہنے نہیں دیا' یا رہنے نہیں دینا ہے' پھر یہ اونٹ کہاں سے آ گئے۔ یہ سوچ کر ایسے حضرات کوئی دلیل یا ثبوت لائے بغیر کچھ اور ارشاد فرما دیتے ہیں۔ مثلاً غلام احمد حریری کہتے ہیں کہ "حضرت مغیرہ بن شعبہ اپنی باری کے دن صحابہ کے اونٹ چرا رہے تھے" (غلام احمد حریری۔ سیرتِ سرورِ انبیاؐ۔ ص ۲۱۳۔ حاشیہ)

علامہ قسطلانی لکھتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کے پاس ایک اونٹنی قصویٰ تھی جس پر آپ نے مکۂ معظمہ سے مدینۂ منورہ ہجرت کی تھی۔ اور ایک اونٹنی عضبا تھی اور ایک جدعا تھی (سیرتِ محمدیہؐ۔ جلد دوم۔ ص ۳۹۶' ۳۹۷) ابنِ قتیبہ بھی ان تینوں کو الگ اونٹنیاں قرار دیتے ہیں"۔ تین اونٹنیاں جن کے نام 'قصوا' جدعا اور عضبا تھے' آپؐ کی سواری کے لیے مخصوص تھیں (کتابُ المعارف۔ ص ۱۳۷) مروی ہے کہ عضبا سے کوئی اونٹنی سبقت نہیں لے جاتی تھی (مدارج النبوت۔ جلد دوم۔ ص ۱۰۴۳) بعض اربابِ سِیَر نے ان

تینوں اونٹنیوں کو ایک ہی بتایا ہے۔ وہی' سوچا ہو گا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام جیسے غریب شخص کے لیے ایک اونٹنی کم ہے' تین انھیں کیا کرنی ہیں۔

قصوئی تو حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ و سلم نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے خریدی تھی۔ عضبا کے بارے میں پورا واقعہ معین واعظ کاشفی "معارج النبوت فی مدارج الفتوت" میں یوں لکھتے ہیں: ایک بار حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ و آلہٖ و سلم مومنین کو صدقہ کی تلقین فرما رہے تھے کہ ایک اعرابی آ پہنچا جس کے پاس بڑا خوب صورت اونٹ تھا۔ بڑا خوش رفتار اور خوش خرام۔ اس نے اسے ایک جگہ کھڑا کر دیا۔ سحری کے وقت جب حضور (صلی اللہ علیہ و سلم) گھر سے نکلے تو یہ اونٹ فصیح و بلیغ انداز میں پڑھ رہا تھا: **السلام علیک یا زین القیامہ' السلام علیک یا خیر البشر' السلام علیک یا فاتح الجنان' السلام علیک یا شافع الامم' السلام علیک یا قائد المومنین فی القیامہ السلام علیک یا رسول رب العالمین**" حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ و سلم نے یہ کلمات سنتے ہی اونٹ کی طرف توجہ فرمائی اور اس کا حال پوچھا تو کہنے لگا۔ یا رسولَ اللہ! میں اس اعرابی کے پاس تھا وہ مجھے ایک سُنسان جنگل میں باندھ دیا کرتا۔ رات کے وقت جنگل کے جانور میرے اردگرد جمع جاتے اور کہتے "اسے نہ چھیڑنا' یہ حضور صلی اللہ علیہ و سلم کی سواری ہے"۔ میں اس دن سے آپؐ کے ہجر و فراق میں تھا۔ آج اللہ نے احسان فرمایا ہے کہ آپؐ تک پہنچا ہوں۔ آپؐ نے اونٹ کی یہ باتیں سنیں تو بڑے خوش ہوئے اور اس کی طرف زیادہ التفات فرمانے لگے اور اس کا "عضبا" رکھا۔ ایک روز عضبا نے کہا "یا رسولَ اللہ صلی اللہ علیکَ و سلم مجھے آپ سے ایک درخواست کرنا ہے۔ آپ نے پوچھا۔ وہ کیا۔ عرض کی "آپ اللہ سے یہ بات منظور کروا لیجیے کہ جنت میں مجھے آپ کی سواری بنایا جائے۔ دوسری بات یہ ہے کہ میری پشت پر کوئی دوسرا

سواری نہ کر سکے۔ آپؐ نے اُسے یقین دلایا کہ تمہاری پشت پر کوئی سواری نہ کر سکے گا سوائے میرے۔

جب حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کے وصال کا وقت قریب آیا تو آپؐ نے حضرت فاطمۃ الزہرا سلام اللہ علیہا کو بلا کر وصیت کی کہ عضبا پر میرے بعد کوئی بھی سواری نہ کرے کیونکہ میں نے اس سے عہد کیا ہوا ہے۔ بیٹی! تم خود اس کی دیکھ بھال اور نگرانی کرنا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کے وصال کے بعد اونٹ نے کھانا پینا چھوڑ دیا اور آپؐ کے فراق میں گُم سُم رہنے لگا۔

ایک رات حضرت فاطمہؓ اس اونٹ کے نزدیک سے گزریں۔ وہ اونٹ آپؐ کو دیکھ کر یوں گویا ہوا "اے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی! جب سے میرے آقا و مولا صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا ہے' میں نے کھانا اور پینا چھوڑ دیا ہے۔ خدا کرے کہ مجھے موت آئے' کیونکہ مجھے اس زندگی سے حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کی غلامی زیادہ پسند ہے۔ میں حضور (صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم) کی خدمت میں رہا ہوں۔ اگر آپؐ کا کوئی پیغام ہو تو میں حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کی خدمت میں پہنچا دوں۔ حضرت فاطمۃ الزہرا اونٹ کی باتوں پر بڑی مغموم ہوئیں اور رونے لگیں۔ اونٹ کے سر کو اپنے بازوؤں میں لے کر اپنے ہاتھوں کو اس کے چہرے پر ملنے لگیں۔ کہتے ہیں' اسی حالت میں اونٹ نے جان دے دی۔ علی الصباح حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے اس کے لیے کفن تیار کرایا اور ایک گہرا گڑھا کھدوا کر دفن کر دیا"۔

غور طلب بات یہ ہے کہ سیّدہ فاطمہؓ اونٹ کے مرنے کے تین دن بعد اس گڑھے پر تشریف لائیں اور قبر کو اکھاڑنے کا حکم دیا۔ اس گڑھے میں اونٹ کا نام و نشان نہ تھا۔ گوشت' پوست اور ہڈیاں بھی غائب تھیں۔ (معارج

النبوت۔ جلد سوم۔ ص ۶۰۱)

شیخ عبدالحق محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ غابہ کی اونٹنیوں سے ہر رات دو مشکیزے دودھ لایا جاتا تھا جو حضورِ اکرم (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) کے اہل و عیال کے خرچ میں آتا تھا۔ (مدارج النبوت۔ جلد دوم۔ ص ۱۴۰۳)

علامہ قسطلانی اور شیخِ محقق نے لکھا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کی ۴۵۔ اونٹنیاں دودھ دینے والی تھیں جو حضرت سعد بن عبادہؓ نے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی خدمت میں پیش کی تھیں (سیرتِ محمدیہؐ۔ جلد دوم۔ ص ۳۹۷ / مدارج النبوت۔ ص ۱۰۴۳ / انوارِ محمدیہؐ۔ ص ۲۳۲) یہاں یہ بات ذہن میں رکھیے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اگر کوئی شخص ہدیہ پیش کرتا تھا تو آپؐ جواب میں اسے بھی ہدیہ عطا فرماتے تھے۔ یہ نہیں کہ ہدیہ کو "مُفتا" سمجھ کر استعمال فرمالیتے ہوں۔ مثلاً شیخ عبدالحق محدث دہلوی لکھتے ہیں کہ حضورِ اکرم (صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم) کا چوتھا گھوڑا الحیف تھا' اسے ربیعہ بن ابی البرا نے ہدیہ کیا تھا اور حضورِ اکرم (صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم) نے چند اونٹ اس کے عوض عطا فرمائے تھے (مدارج النبوت۔ جلد دوم۔ ص ۱۰۳۳)

پہلے یہ بات آچکی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم ہدیے کے جواب میں ہدیہ عطا فرمایا کرتے تھے اور اگر کوئی یہ جوابی ہدیہ وصول نہیں کرنا چاہتا تھا' تو ناراضی کا اظہار فرماتے تھے۔ اور جب ایک گھوڑے کے عوض آپؐ نے چند اونٹ ہدیہ فرمائے تو اس سے واضح ہوگیا کہ سیرت نگار حضرات کے قائم کردہ اس تصوّر کی عمارت تو سلامت نہیں رہتی کہ حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کی معاشی زندگی کا انحصار ہدایا پر تھا۔

گھوڑے

ابنِ قتیبہ لکھتے ہیں کہ اُحُد کے دن حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام جس گھوڑے پر سوار تھے، اس کا نام سَکب تھا۔ اس کے علاوہ ملاوح، مرتجز، لزاز، لحیف اور الورد بھی حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کے گھوڑوں کے نام تھے (کتابُ المعارف۔ ص ۱۳۷)

سکب کے بارے میں ہے کہ دس اوقیہ میں حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم نے خرید فرمایا۔ ایک اوقیہ چالیس درہم کا ہے (عبدالرحمان ابنِ جوزی۔ النبی الاطہرؐ۔ ص ۱۰۵) اب ذرا یہ یاد کیجیے کہ حضرت خدیجۃ الکبریٰ سے نکاح کے موقع پر بعض سیرت نگار حضرات صرف بارہ یا ساڑھے بارہ اوقیہ مہر قرار دیتے ہیں اور وہ بھی حضرت ابوطالبؑ سے دلوا دیتے ہیں کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم تو ان کے خیال میں اتنے غریب تھے کہ شاید اوقیہ انھوں نے کبھی دیکھا بھی نہ ہو۔

شیخ محقق نے جس گھوڑے کا نام لحیف لکھا ہے، عبدالرحمٰن ابنِ جوزی اسے طریف لکھتے ہیں۔ لیکن بہرحال یہ ذکر پہلے آچکا ہے کہ یہ حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کی خدمت میں ہدیہ کے طور پر پیش ہوا تھا اور جواب میں آپؐ نے چند اونٹ ہدیہ کیے تھے۔

ابنِ قتیبہ نے حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کے چھ گھوڑوں کے نام لکھے ہیں۔ لیکن علامہ عبدالرحمٰن ابنِ جوزی سات گھوڑوں کے نام لکھتے ہیں۔ سکب۔ مرتجز (یہ وہی گھوڑا ہے جس کی خرید کے بارے میں حضرت خزیمہؓ بن ثابت نے گواہی دی تھی اور حضور نبیٔ پاک صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم نے ان کی شہادت دو مردوں کے برابر قرار دے دی تھی)۔ زرقانی کہتے ہیں "کیونکہ آپ

(صلی اللہ علیہ و آلہٖ و سلم) مختار ہیں' جو چاہیں تخصیص فرما دیں" (النبی الاطہرؐ۔ ص ۱۰۵) لزاز۔ طرف۔ ورد۔ نحیف۔ یعسوب۔ زرقانی لکھتے ہیں کہ ورد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو عطا فرما دیا۔ انھوں نے اللہ تعالیٰ کی راہ میں صدقہ کر دیا (النبی الاطہرؐ۔ ص ۱۰۶)

ڈاکٹر غلام جیلانی برق نے اپنے مضمون "ابن الجوزی اور سوانحِ رسول صلی اللہ علیہ و سلم" میں سات ہی گھوڑوں کے نام لکھے ہیں (نقوش۔ رسولؐ نمبر۔ جلد ۱۔ ص ۷۰۷) مفتی محمد علیم الدین نقشبندی نے لکھا ہے کہ مواہب اور زرقانی میں ان گھوڑوں کے علاوہ مزید گھوڑوں کے نام بھی درج ہیں (النبی الاطہرؐ۔ ص ۱۰۶۔ حاشیہ۔ یہ کتاب علامہ عبدالرحمان ابنِ جوزی کی مشہور کتاب "تلقیح الفہوم اہل الاثر فی عیون التاریخ والسیر" جو ساڑھے سات سو صفحات پر مشتمل ہے' کے ایک اہم جزو کا ترجمہ ہے جو مفتی علیم الدین نقشبندی نے کیا ہے)۔

شیخ محقق شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے لکھا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ و سلم کے دس گھوڑے تھے۔ انھوں نے ہر گھوڑے کا نام لکھا ہے' یہ لکھا ہے کہ کہاں سے لیا' اس کی نسل کیا تھی' اس کی خصوصیات کیا تھیں...... وغیرہ۔ ان کے نزدیک دسوں گھوڑوں کے نام یہ ہیں۔ سکب۔ مزتجر۔ لزاز۔ لحیف۔ ورد۔ ضریس۔ ظرب۔ ملاوح۔ ابحہ۔ بحر۔ اس کے بعد لکھتے ہیں۔ "یہ حضورِ اکرم (صلی اللہ علیہ و آلہٖ و سلم) کے دس گھوڑے ہیں جو اکثر کتبِ سِیَر میں مسطور ہیں۔ بعض نے اور نام بھی بیان کیے ہیں جیسے ابلق۔ ذوالعقال۔ ذواللمہ۔ مرتجل۔ ترادح۔ سرحان۔ یعسوب۔ نحیب۔ ادہم۔ سجا۔ سجل۔ ظرف اور مندوب وغیرہ" (مدارج النبوت۔ جلد دوم۔ ص ۱۰۳۴)

اب فرمایئے ۲۳ گھوڑوں کے مالک حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ و سلم پھر

غریب کے غریب ہی رہیں اور ان کی آمدن کا کوئی وسیلہ کسی محترم سیرت نگار کو کہیں اور کبھی نظر نہ آئے تو ہم کیا کریں۔

دراز گوش (حمار)

شیخ عبدالحق محدث دہلوی لکھتے ہیں کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کے تین دراز گوش یعنی حمار تھے (مدارج النبوت۔ جلد دوم۔ ص ۱۰۳۹) "الوفا باحوالِ المصطفیٰ صلی اللہ علیہ و سلم" میں ہے۔ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ و سلم کے پیچھے ایک دراز گوش پر سوار ہوا جس کو عفیر (ٹیالی رنگت والا) کہا جاتا تھا۔

حضرت اَنس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ و سلم کو دراز گوش پر دیکھا جس پر اکاف ڈالا گیا۔

حضرت اَنس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبیٔ کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم خیبر کے دن اور بنو النضیر کے خلاف کارروائی کے دن دراز گوش پر سوار تھے جس پر اکاف تھا اور اس کی لگام کھجوری تھی (الوفا باحوالِ المصطفیٰ۔ ص ۶۱۹)

ایک روایت ہے کہ عفیر اور یعفور ایک ہی دراز گوش تھے۔ قاضی عیاض نے عفیر کو غفیر لکھا ہے مگر یہ درست نہیں (مدارج النبوت۔ جلد دوم۔ ص ۱۰۴۰) شیخِ محقق نے ابنِ عساکر کے حوالے سے یعفور کے بارے میں جزئیات یوں بیان کی ہیں:

جب حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم نے خیبر فتح کیا تو ایک گدھے نے حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم سے باتیں کیں۔ گدھے نے کہا، اللہ تعالیٰ نے میری جد کی نسل سے ساٹھ ایسے گدھے پیدا فرمائے ہیں جن پر بجز نبی کے کسی

نے سواری نہیں کی ہے اور میں خواہش رکھتا ہوں کہ حضور (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کی سواری کا شرف حاصل کروں۔ میرے جد کی نسل میں میرے سوا کوئی باقی نہیں رہا اور آپ کے سوا کوئی نبی بھی اب آنے والا نہیں ہے۔ اس نے کہا' آپ سے پہلے میں ایک یہودی کے قبضہ میں تھا۔ جب وہ مجھ پر سواری کا ارادہ کرتا تو میں قصداً" اچھل کر اسے گرا دیتا اور اسے اپنے اوپر سوار نہ ہونے دیتا۔ وہ یہودی غصے میں مجھے بھوکا رکھتا تھا۔ اس پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اس سے فرمایا۔ آئندہ تیرا نام "یعفور" ہو گا۔ یہ یعفور آپؐ کی خدمت اقدس میں حاضر رہتا۔ جب نبیؐ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اسے کسی کو بلانے بھیجتے تو وہ اس کے دروازے پر چلا جاتا اور اپنے سر سے دروازے کو کوٹتا۔ جب مالک مکان باہر آتا تو وہ اشارہ کرتا کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے تجھے بلایا ہے اور وہ اسے لے کر آجاتا۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے رحلت فرمائی تو یعفور نے رنج اور فراق کے غم میں کنوئیں میں چھلانگ لگا کر خود کو مار ڈالا۔ (مدارج النبوت۔ جلد اول۔ ص ۳۴۶ / مدارج النبوت۔ جلد دوم۔ ص ۱۰۴۰' ۱۰۴۱)

خچر

"النبی الاطہرؐ" میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے پاس ایک خچر تھا جس کے نام شہبا اور دلدل تھے (النبی الاطہرؐ۔ ص ۱۰۷' ۱۰۸)

حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ میں جنگِ حُنین میں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا (وقتی طور پر بعض مسلمان پیچھے ہٹے اور صفیں ٹوٹ گئیں اور مجاہدین مختلف ٹکڑیوں میں بٹ گئے جہاں سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم برسرپیکار تھے۔ وہاں) آپؐ کے ساتھ صرف

ئیں تھا یا ابوسفیان بن الحارث بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ۔ ہم آپ سے جدا نہ ہوئے۔ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم اپنے سفید خچر پر سوار تھے جس کو فردہ ابن نفاثہ نے آپ کی خدمت میں بطورِ ہدیہ پیش کیا تھا۔

اصبغ بن بناتہ سے منقول ہے کہ جب حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے نہروان میں خوارج کے ساتھ جنگ کی اور انہیں قتل کیا تو آپ اس وقت نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سفید خچر پر سوار تھے۔ (الوفا۔ ص ۶۱۹)

"مدارج النبوت" میں ہے کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خچر متعدد تھے۔ ایک کا نام دلدل تھا۔ ایک اور خچر تھا جسے فضہ کہتے تھے۔ بعض کہتے ہیں کہ دلدل اور فضہ ایک ہی ہے۔ یہ بات اس قول کے زیادہ موافق ہے جو بعض لوگ کہتے ہیں کہ دلدل سفید تھا' شہبا نہ تھا۔ ایک خچر اور تھا جسے ایلیہ کہتے تھے (مدارج النبوت۔ جلد دوم۔ ص ۱۰۳۷-۱۰۳۹)

بکریاں اور بھیڑیں

علامہ احمد بن محمد بن ابی بکر الخطیب القسطلانی شافعی لکھتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس ایک سو سات گوسپند اور بکریاں تھیں جنھیں اُمِ ایمن رضی اللہ عنہا چراتی تھیں (سیرتِ محمدیہؐ ترجمہ المواہب اللدنیہ۔ جلد دوم۔ ص ۳۹۸ / انوارِ محمدیہؐ۔ ص ۲۳۲' ۲۳۳) عبدالملک بن عثمان نیشاپوری لکھتے ہیں کہ نبیٔ کریم علیہ السلام کے پاس ایک سو بکریاں تھیں۔ حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی پیاری بکریاں جو قابلِ ذکر ہیں' سات تھیں۔ حضرت امِ ایمنؓ چرانے کو لے جاتی تھیں۔ ان بکریوں کے نام عجرہ' زمزم' سقیا' برکہ' اطلال اور اطراف تھے۔ ایک بکری جس کا دودھ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) بڑے شوق سے پیتے تھے' غشیہ تھی۔ (شرف النبیؐ۔ ص ۳۳۹' ۳۳۸) شیخ عبدالحق بھی

دودھ والی سات بکریوں کا ذکر کرتے ہیں جنھیں اُمِ ایمن ؓ چراتی تھیں اور جس گھر میں حضورِ اکرم (صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم) شب باشی فرماتے، وہاں ان کا دودھ لے کر آتیں (مدارج النبوت۔ جلد دوم۔ ص ۱۰۴۳)

حضرت خالد بن یزید مزنی نے روایت کی ہے، حضور رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جس گھر والوں کے یہاں شام کو بکریاں آتی ہیں اور ان کے یہاں رہتی ہیں، فرشتے ان کے لیے رات بھر صبح تک اور دن بھر دعائے مغفرت کیا کرتے ہیں (اسد الغابہ فی معرفت الصحابہؓ۔ جلد ۳۔ ص ۱۳۲۔ اردو ترجمہ از عبدالشکور لکھنوی) اس سے بھی اندازہ ہوتا ہے کہ زندگی بھر حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کا معمول رہا ہو گا کہ آپؐ کے پاس بکریاں ضرور رہیں۔

قارئینِ محترم سے التماس ہے کہ خدا کے لیے غور فرمائیں، اگر حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم تجارت نہ فرماتے تو کیا اس حد تک امیر ہو سکتے تھے کہ آپؐ کے پاس بیسیوں اونٹ ہوں، بیس تیس گھوڑے ہوں، خچر ہوں، دراز گوش ہوں، بکریاں اور بھیڑیں ہوں --------- اور کیا یہ سب کچھ ہوتے ہوئے بھی آپ (صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم) کو غریب قرار دینا مناسب ہے؟

اس صورت میں ایک مرتبہ پھر عبدالقدوس ہاشمی کی یہ تحریر پڑھیے "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت مبارک کا مطالعہ کرتے ہوئے ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ آپ نے اپنی پوری زندگی میں نہ کوئی ایسی جائیداد پیدا کی جو آمدنی کا ذریعہ ہوتی اور نہ کبھی نذرانوں پر زندگی بسر کی۔ وراثت میں بھی آپ کو کوئی جائیداد نہیں ملی۔ کسی سے زرعی یا غیر زرعی ایسی جائیداد کا ہبہ بھی قبول نہیں فرمایا جو آمدنی کا ذریعہ ثابت ہوتی۔ بلکہ ساری عمر اپنی محنت و مزدوری سے زندگی بسر کرتے رہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ حضرت بی بی خدیجۃ الکبریٰ کی دولتمندی سے آپ کو یہ موقع ضرور مل گیا کہ آپ کسی دوسرے کے مالِ تجارت

کو لے کر سفر کرنے اور اُجرت حاصل کرنے کی بجائے خود اُمّ المؤمنین کے مال کو لے کر جاتے۔ اگرچہ اس زمانے میں بھی آپؐ نے دوسروں کا مال مقررہ اجرت پر فروخت کرنے کی مزدوری کی ہے لیکن یہ عموماً" اسی وقت ہوا ہے جبکہ آپ اُمّ المؤمنین کا مال تجارت لے کے کہیں تجارتی سفر کو روانہ ہو رہے ہوتے تھے"۔ (ماہنامہ "فاران" کراچی۔ سیرت نمبر۔ جنوری ۱۹۵۶۔ ص ۱۴۵ / ماہنامہ "خاتونِ پاکستان" کراچی۔ رسولؐ نمبر کا دوسرا حصہ۔ ص ۵۱)

حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم مالِ غنیمت سے کیا لیتے تھے؟

جس ہستی کو ترکے میں بھی کچھ نہ ملے' جس شخصیت کو غریب اور مفلوک الحال سمجھ کر حلیمہؓ جیسی کمزور و ناتواں دائی بھی اس کے گھر کا رخ نہ کرے' جنھیں زندگی بھر میں ایک آدھ بار چار اونٹ یا ایک اونٹ کی اجرت پر کام ملے' جن کے بارے میں اتنا تو لکھ دیا جائے کہ انھوں نے تجارت کو پیشے کے طور پر اپنایا' لیکن اس کی تفصیلات فراہم نہ کی جائیں بلکہ عملاً یہی تاثر دیا جائے کہ ان کے پاس کمائی کی کوئی صورت کبھی نہ بنی تھی' ------ لیکن اگر انھی کتابوں میں سے ان کی مالی خوشحالی کے بارے میں کچھ نظائر مل جائیں تو اسے کیا کہیں گے۔

اگر ان کے بارے میں یہ کہا جانے لگے کہ ایک مالدار بیوہ سے شادی کے بعد ان کے معاشی مسائل حل ہو گئے تھے' یا تفصیلات دیئے بغیر یہ ثابت کیا جانے لگے کہ ہدایا اور غنائم پر ان کی معاشی زندگی کا انحصار تھا تو کیا ہم ان کے بارے میں اچھے خیالات کا اظہار کر رہے ہیں؟

حقیقت یہی ہے' جیسا کہ گزشتہ صفحات میں کہا جا چکا ہے کہ حضور صلی

اللہ علیہ و آلہٖ و سلم کو ترکے میں تجارت کا پیشہ بھی ملا تھا اور تجارت کا سامان بھی۔ اور، پہلے آپ (صلی اللہ علیہ و آلہٖ و سلم) کے پرورش کرنے والوں اور پھر، خود آپؐ نے اس پیشے کے ذریعے خوشحالی کی زندگی بسر کی۔ نہ آپ (علیہ الصلوٰۃ والسلام) نے ثروت مند بیوہ سے اس لیے شادی کی تھی، نہ ان کے مال پر تصرف اختیار فرمایا۔ بلکہ کچھ خود اور کچھ اپنے شرکاءِ تجارت کے ذریعے کاروبار کرتے رہے اور اس کے ذریعے ایسی فارغ البالی کی زندگی بسر فرمائی جس کے نتیجے میں ہمیشہ مفلوک الحال، غریب، مسکین، یتیم اور مسافر لوگوں کی امداد و اعانت فرماتے رہے۔

ہدیوں کے بارے میں ہمارے محترم قلم کاروں نے یہ تأثر گہرا کرنے کی سعی فرمائی کہ حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ و سلم کا گزارا انھی پر تھا۔ کہیں سے کچھ آ جاتا تھا تو کھا لیتے تھے ورنہ صبر شکر سے کام لیتے تھے۔ اس کے بارے میں بھی گزشتہ صفحات میں ثابت کیا جا چکا ہے کہ ہدایا کے جواب میں آپؐ بھی ہدایا عنایت فرماتے تھے اور عام طور پر زیادہ عطا فرماتے تھے۔

اب حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ و سلم کے بارے میں ایک بات رہ گئی ہے کہ غنائم نے آپ (صلی اللہ علیہ و آلہٖ و سلم) کو فکر معاش سے بیگانہ کر دیا تھا۔ اس کا بھی تجزیہ کیے لیتے ہیں۔

قرآنِ پاک میں ہے "اور جان لو، جو کچھ غنیمت پاؤ، اس کا پانچواں حصہ خاص اللہ اور رسول (صلی اللہ علیہ و آلہٖ و سلم) اور قرابت داروں اور یتیموں اور محتاجوں اور مسافروں کا ہے۔ اگر تم ایمان لائے ہو اللہ پر اور اس چیز پر جو فیصلے کے روز یعنی دونوں فوجوں کی مڈبھیڑ کے دن، ہم نے اپنے بندے پر نازل کی تھی۔ اللہ ہر چیز پر قادر ہے" (انفال - ۸:۴۱)

مولانا مودودی اس آیت کے تحت لکھتے ہیں۔ "یہاں اس مالِ غنیمت

کی تقسیم کا قانون بتایا گیا ہے۔ جس کے متعلق کہا گیا کہ یہ اللہ کا انعام ہے جس کے بارے میں فیصلہ کرنے کا اختیار اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم) ہی کو حاصل ہے۔ اب وہ فیصلہ بیان کر دیا گیا ہے اور وہ یہ ہے کہ لڑائی کے بعد تمام سپاہی ہر طرح کا مالِ غنیمت لا کر امیر یا امام کے سامنے رکھ دیں اور کوئی چیز چُھپا کر نہ رکھیں۔ پھر اس مال سے پانچواں حصہ ان اغراض کے لیے نکال لیا جائے جو آیت میں بیان ہوئی ہیں اور باقی چار حصے ان سب لوگوں میں تقسیم کر دیئے جائیں جنھوں نے جنگ میں حصہ لیا ہو"۔ (تفہیم القرآن۔ جلد ۲۔ ص ۱۴۵)

اگر اس کی تفسیر میں کہیں یہ مراد لیا جاتا ہو کہ حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم مالِ غنیمت کے پانچویں حصے کو جسے اللہ اور رسول (صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم) اور اقربا، یتامیٰ، مساکین اور مسافروں کے لیے الگ کرنے کا حکم دیا گیا ہے، اس میں سے سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام کچھ یا بہت کچھ حاصل کرتے تھے تو نہ اس کے شواہد ملتے ہیں، نہ یہ حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کی عظمت کے مطابق ہے۔ آپ (صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم) تو زندگی بھر تجارت کے ذریعے جو کچھ کماتے رہے، وہ بھی اپنے اور اپنے اہل و عیال پر خرچ کرنے کے بجائے غربا اور مساکین پر خرچ فرماتے رہے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کے گھر میں جو کئی کئی دن چولھا نہ جلنے یا کھانے کو کچھ نہ ہونے یا پیٹ پر پتھر باندھنے کی مثالیں ملتی ہیں، اس سے مراد یہ قطعاً نہیں کہ ان کی آمدن کچھ نہیں تھی۔ اس کا واحد مطلب یہ ہے کہ وہ سب کچھ حاجت مندوں میں تقسیم فرما دیتے تھے اور خود بھوکے سو رہتے تھے۔

جو ہستی اپنی کمائی اپنے اور اپنے اہل و عیال پر خرچ کرنے کے بجائے غریبوں مسکینوں کی حاجت روائی میں لگا دیتی تھی، اس پر یہ گمان کیسے کیا جا سکتا

ہے کہ وہ مال غنیمت کے اس پانچویں حصے کو اپنے تصرف میں لاتے جسے اللہ اور رسول (صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم) کا حصہ تو کہا گیا لیکن اسے قرابت داروں' تیموں' مسکینوں اور مسافروں کے لیے جائز قرار دیا گیا۔

خُمس اور فئی کے بارے میں واضح طور پر یہ بات سُنن ابوداؤد میں موجود ہے۔ حضور نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک اونٹ کے قریب ہوئے اور اس کے کوہان سے ایک بال لے کر فرمایا۔ اے لوگو! میرے لیے اس فئی میں سے کوئی چیز نہیں اور نہ یہ' اور اپنی انگشتِ مبارک اٹھائی' ماسوائے خمس کے۔ ---جبکہ خمس بھی تمہاری طرف ہی لوٹا دیا جاتا ہے۔ پس دھاگا اور سوئی بھی ادا کر دو (مشکوٰۃ المصابیح۔ مترجم۔ کتاب آداب السفر۔ باب قسمۃ الغنائم و الغلول فیھا۔ حدیث نمبر۳۸۴۶)

مسلم شریف میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے' رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہٖ وسلم نے فرمایا' جس بستی میں تم پہنچو اور اس کے اندر قیام کرو تو اس میں تمہارا حصہ ہے اور جو بستی اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم) کی نافرمانی کرے تو اس کا پانچواں حصہ اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم) کا ہے۔ پھر وہ تمہارے لیے ہے (مشکوٰۃ شریف۔ کتاب آداب السفر۔ حدیث نمبر۳۸۴۶)

حقیقت یہ ہے کہ غنائم میں سے نہ اللہ نے کچھ لیا' نہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) نے بلکہ ان کا پانچواں حصہ غریبوں' مسکینوں' تیموں' قرابتداروں اور مسافروں کو دے دیا جاتا تھا۔

ایک متفق علیہ حدیثِ پاک میں ہے' حضرت عبداللہ ابنِ عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں' رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہٖ وسلم نے مجھے انعام عطا فرمایا' اس کے علاوہ جو خمس میں ہمارا حصہ تھا' پس مجھے ایک شارف بھی ملی (شارف

عمر رسیدہ اونٹنی کو کہتے ہیں) (مشکوٰۃ شریف۔ کتاب آداب السفر۔ حدیث نمبر ۳۸۱۳)

پروفیسر خالد علوی لکھتے ہیں۔ "اس مال (غنیمت) کی تقسیم کا قانون بنا دیا کہ پانچواں حصہ خدا کے کام اور اس کے غریب بندوں کی مدد کے لیے بیت المال میں رکھ لیا جائے اور باقی چار حصے اس پوری فوج میں تقسیم کر دیئے جائیں جو لڑائی میں شریک ہو"۔ (دوماہی "اسلامی تعلیم" لاہور۔ جنوری فروری ۱۹۷۳۔ ص ۴۵)

اس سے واضح ہوتا ہے کہ خُمس مالِ غنیمت کا پانچواں حصہ تھا' یہ اللہ اور رسول (صلی اللہ علیہ و آلہٖ و سلم) کے نام پر غریبوں اور مستحقین میں تقسیم ہوتا تھا' خود حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ و سلم اس میں سے کچھ نہیں لیتے تھے۔

حضورؐ کا بھوکا رہنا اس کی دلیل نہیں کہ آپؐ کے پاس کچھ نہ تھا

بہت سی احادیث موجود ہیں' کتبِ سِیَر بھری پڑی ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ و سلم کے گھر کئی کئی دن کھانا نہیں پکتا تھا۔ بخاری میں اُمّ المؤمنین حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ آلِ محمدؐ نے جو کی روٹی' پیٹ بھر کے' پے در پے دو دن کبھی نہیں کھائی (ماہنامہ "صدائے اسلام" پشاور۔ جون ۱۹۷۹۔ ص ۸) نیز فرماتی ہیں "ہم پر ایک ایک مہینا گزر جاتا تھا کہ ہم آگ نہیں جلاتے تھے۔ کھجور اور پانی انھی دو چیزوں پر گزارا ہوتا تھا۔ ترمذی میں ہے' ابنِ عباسؓ فرماتے ہیں' حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ و سلم اور گھر والے تین تین دن فاقے سے گزار دیتے تھے۔ قزوینی کے مطابق حضور (صلی اللہ علیہ و آلہٖ و سلم) نے کچے اون کا لباس پہنا ہے۔ جو کا موٹا آٹا کھایا ہے اور موٹا جھوٹا پہنا ہے" (ماہنامہ

"خاتونِ پاکستان" کراچی۔ رسول نمبر۔ ۱۳۸۳ھ۔ ص ۲۱۴) خالد وحید میمنی لکھتے ہیں۔ "سوال یہ ہے کہ خدا نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مالدار بنایا تھا۔ اس نے آپ کو فارغ البالی بخشی تھی۔ اس نے آپؐ کو بہت کچھ دینے کا وعدہ فرمایا تھا تو اس کے باوجود آپؐ کی اور آپؐ کے گھر والوں کی زندگی کا یہ انداز کیوں تھا؟ اس سوال کے جواب میں وہ کئی واقعات نقل کرتے ہیں مثلاً آپ نے حضرت اُمِ سلمہؓ سے پوچھا کہ جو سات دینار کل شام سے گھر میں پڑے ہیں، وہ اب تک خرچ کیوں نہیں ہوئے (مُسندِ احمد) ترمذی میں ہے، حضرت انسؓ فرماتے ہیں، حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کبھی کل کے لیے کچھ بچا کر نہیں رکھتے تھے۔ بخاری اور نسائی میں ہے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم عصر کی نماز کے بعد بھاگم بھاگ حجرے میں تشریف لے گئے۔ بعد میں لوگوں سے پوچھا تو فرمایا کہ مجھے وہ تھوڑا سا سونا یاد آگیا تھا جو گھر میں تھا، مجھے ڈر ہوا کہ اس سونے پر ہمارے گھر ہی میں رات نہ گزر جائے۔ میں کہنے گیا تھا کہ رات ہونے سے پہلے پہلے اسے ضرورت مندوں میں تقسیم کر دو" (خاتونِ پاکستان۔ رسولؐ نمبر ۱۳۸۳ھ / ۱۹۶۳ء۔ مضمون "رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی معاشی زندگی" از خالد وحید میمنی۔ ص ۲۱۴، ۲۱۵)

محبوب سردار نجاری کہتے ہیں۔ "حضور سرورِ کائنات محمدِ مصطفیٰ احمدِ مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم تمام عرب کے زیرِ نگیں ہو جانے اور دس لاکھ مربع میل علاقے پر تسلط ہو جانے کے بعد اگر چاہتے تو ہر قسم کی شاہانہ شان و شوکت رکھ سکتے تھے مگر آپؐ نے آخر وقت تک نہ خود اس اقتدار اور دولت سے فائدہ اٹھایا اور نہ اپنے خاندان والوں کو اس سے استفادہ کرنے دیا" (محبوب سردار۔ مانم یعنی متوازن اسلامی نظامِ معیشت۔ مطبوعہ سکھر۔ ص ۵۱)

محمد صدیق ہزاروی کتبِ سیَر و حدیث کے حوالے سے بتاتے ہیں کہ

جہاں حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کے بھوکا رہنے کے بہت سے نظائر ہمارے سامنے ہیں، اور کئی کئی دن چولھے میں آگ نہ جلنے کی خبر ملتی ہے، وہاں آپؐ کے خوش خوراک ہونے کے بھی بے شمار واقعات احادیث و سیرت کی کتابوں میں موجود ہیں۔ ایک حدیث میں ہے، نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حلّۂ مبارک ستائیس اونٹوں کے عوض خریدا، اور اسے زیب تن فرمایا۔ آپؐ کے پاس ایک سرخ چادر تھی جسے عیدین کے موقع پر استعمال فرماتے۔ اسی طرح ایک سبز رنگ کی چادر جو چار ہاتھ لمبی اور اڑھائی ہاتھ چوڑی تھی، مختلف وفود کی آمد پر زیب تن کی جاتی..... (ماہنامہ "الجامعہ"۔ سیرت نمبر اکتوبر نومبر ۱۹۸۶۔ ص ۳۰۰)

حقیقت یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم نے زندگی بھر تجارت کی اور اس سے اتنا کمایا جو کوئی اچھا خوشحال اور ثروت مند تاجر کما سکتا تھا لیکن آپ صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم نے آمدن میں سے کم سے کم مال اپنے اور اپنے اہل و عیال پر خرچ کیا، سب کچھ حاجت مندوں، غریبوں میں تقسیم فرماتے رہے اور اپنے لیے فقر و فاقہ کو اختیار فرمایا۔ خدا کرے، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی کسی ایک سنّت کے مبلغین کو آپؐ کی یہ سُنّت بھی نظر آجائے اور وہ روکھی سوکھی پر گزارا کرنے کی اہمیت سمجھیں۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حالت فقر و فاقہ صد فی صد اختیاری تھی، آپؐ کسی مرحلے پر بھی غریب نہیں رہے، آپؐ نے کبھی تجارت سے منہ نہیں موڑا، آپؐ کے پاس کبھی کم مال نہیں آیا۔

ڈاکٹر یاسین مظہر صدیقی لکھتے ہیں کہ ماخذ سے معلوم ہوتا ہے کہ غزوۂ بدر الموعد کے موقع پر مسلمان تاجر اور مجاہد تجارتی سامان بدر کے مقامی بازار میں لے کر گئے تھے اور خوب منافع کمایا تھا۔ یہ حقیقت بڑی اہم ہے کہ کیا مسلم

اور کیا غیر مسلم عرب مثالی تاجر تھے اور وہ ہر موقع سے فائدہ اٹھاتے تھے۔ چنانچہ عسکری مہموں کے دوران بھی ان کا معمول تھا کہ وہ اپنا تجارتی سامان ساتھ لاتے تھے اور موقع ملنے پر تجارت کا بازار بھی گرم کرتے تھے۔ مسلم تاجروں نے خیبر کے غزوہ کے دوران تجارت کی تھی اور بڑا نفع کمایا تھا۔ غالباً" انھوں نے دوسری مہموں کے دوران بھی اپنے اس معمول کو ترک نہیں کیا تھا (نقوش۔ جلد ۵۔ ص ۶۴۴' ۶۴۵) المواہب اللدنیہ میں ہے کہ آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مقام بدر میں (غزوۂ بدرِ موعد کے وقت) آٹھ دن قیام فرمایا۔ اصحاب کے ساتھ جو کچھ مالِ تجارت کا تھا' اس کو انھوں نے فروخت کیا (سیرتِ محمدیہ۔ جلد اول۔ ص ۳۹۶' ۳۹۷)

باقر الصدر لکھتے ہیں کہ اس دور کے تُجّار سرمایہ دارانہ انداز کے عادی نہیں تھے بلکہ محنت کش تھے اور خود سامان فراہم کیا کرتے تھے (شہید باقر الصدر۔ اسلامی اقتصادیات کا جائزہ۔ مطبوعہ ایران۔ محرم الحرام ۱۴۰۴ھ۔ ص ۱۳۷)

صحابۂ کرام جن کا پیشہ تجارت تھا' وہ ہر موقع پر تجارت کرتے تھے' تو حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ و سلم تجارت سے کیوں صرف نظر فرماتے اور ہم نے سیرت النبی صلی اللہ علیہ و آلہٖ و سلم کی موجود کتابوں ہی کو کُھدیڑ کر واقعات جمع کیے ہیں جن سے یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ و سلم مسجد میں بیٹھ کر ادھر ادھر سے ہدیے کے طور پر آئے ہوئے پر گزارا نہیں کرتے تھے' بلکہ پہلے خود تجارتی اسفار اور تجارتی تگ و دو کے ذریعے اور بعد میں اپنے شرکاءِ تجارت کے ذریعے مال اسباب کی خرید و فروخت کے ذریعے کماتے تھے اور ڈھیروں کماتے تھے۔ صرف اتنا ہے کہ وہ یہ مال اپنے اور اپنے اہل و عیال کے بجائے غربا اور مستحقین میں تقسیم فرما دیا کرتے تھے۔

اور' حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ و سلم کی حیاتِ طیبہ کو نکبت و تنگدستی کا نمونہ دکھانے والے محترم حضرات نے حقائق سے آنکھیں چرائی ہیں' جان بوجھ کر حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ و سلم کو ایسا ثابت کرنا چاہا ہے کہ انھوں نے زندگی بھر کچھ کام نہیں کیا' یا بہت کم کام کیا ہے یا زندگی کا زیادہ حصہ مولویوں اور پیروں کی طرح ہدایا پر اور مدنی دور میں غنائم پر گزر بسر کی ہے۔

کیا اب چودہ سو سال کے بعد بھی وہ وقت نہیں آیا کہ ہم تحقیق کے سمندر میں غوّاصی کر کے حقائق کے لُولُوئے لالا بر آمد کرنے کی کوشش کریں!

ماخذ و مراجع

قرآن

* ابراہیم - ۱۴
* الفتح - ۴۸
* قریش - ۱۰۶

---

* صحیح بخاری۔ کتاب البیوع۔ کتاب الصدقہ
* صحیح مسلم۔ کتاب اللباس۔ کتاب الحج
* سنن ابوداؤد۔ کتاب الادب۔ کتاب الجہاد۔ کتاب البیوع۔ کتاب النکاح
* سنن ابن ماجہ۔ کتاب الادب۔ کتاب التجارات
* دار قطنی۔ کتاب البیوع
* مشکوٰۃ المصابیح۔ باب العطایا

---

* آسمانِ ہدایت کے ستر ستارے۔ طالب ہاشمی۔ البدر پبلی کیشنز، لاہور۔ دسمبر ۱۹۸۸
* اردو دائرہ معارف اسلامیہ۔ جلد ۴۔ جامعہ پنجاب، لاہور
* اسد الغابہ فی معرفت الصحابہ۔ جلد اول۔ سوم۔ چہارم۔ پنجم۔ ہفتم۔ نہم۔ دہم اور جلد ۱۱۔
اردو ترجمہ از عبدالشکور لکھنوی و غلام ربانی عزیز۔ مکتبہ نبویہ۔ لاہور
* اسلام کا اقتصادی نظام۔ محمد حفظ الرحمان۔ مطبوعہ دہلی۔ ۱۹۵۹

❊ اسلام کے معاشی نظریے۔ حصہ اول۔ ڈاکٹر یوسف الدین۔ مطبوعہ حیدر آباد دکن۔ ۱۹۵۰

❊ اسلام میں ضابطہ تجارت۔ عبدالرحمان کیلانی۔ مکتبہ السلام' لاہور۔ اشاعت اول۔ ۱۹۷۶

❊ "اسلامی تعلیم" (دو ماہی) لاہور۔ جنوری فروری ۱۹۷۳

❊ اسنی المطالب فی نجات ابی طالب۔ مترجم صائم چشتی۔ چشتی کتب خانہ۔ فیصل آباد

❊ اسوۃ الرسولؐ۔ جلد دوم۔ سید اولاد حیدر فوق بلگرامی۔ کمیلی ٹرسٹ' کراچی۔ تیسری بار۔ ۱۹۷۷

❊ اسوۂ حسنہ (ابن قیم جوزی کی "ھدی الرسولؐ" کا اردو ترجمہ از عبدالرزاق ملیح آبادی) مجلس نشریات اسلام' کراچی۔ ۱۹۷۹

❊ اسوۂ حسنہ۔ حصہ سوم۔ بنت الاسلام۔ بزم بتول لاہور۔ ۱۹۸۳

❊ اسوۂ صحابہ۔ حصہ اول۔ ناشران قرآن' لاہور۔ س ن

❊ اسوۂ صحابیات۔ عبدالسلام ندوی۔ دارالاشاعت' کراچی۔ س ن

❊ اصح السیر۔ عبدالرؤف دانا پوری۔ محمد سعید اینڈ سنز' کراچی۔ س ن (دیباچے کے بعد ستمبر ۱۹۳۲ لکھا ہے)

❊ امت کی شہزادیاں۔ محمد صدیق کھوکھر۔ مکتبہ سرمد' لاہور۔ ۱۹۸۵

❊ الایمان (پندرہ روزہ) لاہور۔ یکم و ۱۵۔ اپریل ۱۹۷۸

❊ "الجامعہ" (ماہنامہ) جامعہ محمدی شریف جھنگ۔ جنوری فروری ۱۹۷۹

❊ الجامعہ (ماہنامہ) جامعہ محمدی شریف۔ سیرت نمبر۔ اکتوبر نومبر ۱۹۸۶

❊ الخصائص الکبریٰ۔ علامہ جلال الدین سیوطی۔ جلد اول و دوم۔ اردو ترجمہ از راجا رشید محمود

د سید حامد لطیف۔ حامد اینڈ کمپنی' لاہور۔ س ن

* الرحیق المختوم۔ صفی الرحمان مبارکپوری۔ المکتبہ السلفیہ' لاہور۔ اپریل ۱۹۹۰

* الرسولؐ۔ وی سی آر باڈلے۔ اردو ترجمہ از ڈاکٹر ایم ایس ناز۔ مکتبہ عالیہ' لاہور۔ ۱۹۹۱

* المشاہد۔ حکیم رحمان علی۔ منشی نو لکشور' لکھنؤ۔ اگست ۱۹۰۶

* النبیؐ الاطہر۔ عبدالرحمان ابن جوزی۔ اردو ترجمہ از مفتی علیم الدین نقشبندی۔ مکتبہ مجددیہ سلطانیہ' جہلم۔ بار اول۔ ۱۹۸۹

* الوفا باحوال المصطفیٰؐ۔ عبدالرحمان ابن جوزی۔ اردو ترجمہ از محمد اشرف سیالوی۔ فرید بک سٹال' لاہور۔ س ن۔

* انوارِ محمدیہؐ (علامہ قسطلانی کی مشہور زمانہ کتاب "المواہب اللدنیہ" کی تلخیص علامہ یوسف بن اسمٰعیل نبہانی نے "الانوار المحمدیہ" کے نام سے کی۔ زیرِ نظر کتاب اس تلخیص کا اردو ترجمہ ہے تو پروفیسر غلام ربانی عزیز نے کیا) مکتبہ نبویہ' لاہور۔ بار دوم۔ ۱۹۸۷

* بلوغ الارب فی احوال العرب (عربی) جلد اول۔ مطبوعہ بغداد

* "پیامِ عمل" (ماہنامہ) لاہور۔ شریکۃ الحسین نمبر۔ جون ۱۹۶۶

* پیغمبرِ اعظم و آخرؐ۔ ڈاکٹر نصیر احمد ناصر۔ فیروز سنز لمیٹڈ۔ بار اول۔ ۱۹۸۸

* تاجدارِ حرم۔ اثر فاضلی۔ ادارہ فکر و نظر' کراچی۔ اشاعت اول۔ ۱۹۹۱

* تاریخ ابنِ خلدون۔ حصہ اول (العرب قبل الاسلام و عہد رسالت) اردو ترجمہ از ڈاکٹر شیخ عنایت اللہ۔ محمد شمس الدین تاجر کتب' لاہور۔ طبع اول ۱۹۶۰

* تاریخِ احمدی۔ نواب احمد حسین خاں۔ حق برادرز' لاہور۔ س ن

* تاریخ محمدؐ۔ ایم ڈی فاروق۔ ادارہ اشاعت قرآن و تاریخ اسلام، لاہور۔ ۱۹۹۳

* تاریخ مدینہ (شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی مشہور زمانہ کتاب "جذب القلوب الی دیار المحبوب" کا اردو ترجمہ) از حکیم سید عرفان علی۔ مقبول اکیڈمی، لاہور۔ س ن

* تذکارِ صحابیات۔ طالب الہاشمی۔ البدر پبلی کیشنز، لاہور۔ چودھواں ایڈیشن۔ ۱۹۹۲

* تواریخ حبیبِ الٰہ۔ مفتی عنایت احمد کاکوروی۔ مکتبہ مہریہ رضویہ، ڈسکہ ضلع سیالکوٹ

* تمیں پروانے شمع رسالت کے۔ طالب ہاشمی۔ البدر پبلی کیشنز، لاہور۔ آٹھواں ایڈیشن۔ ۱۹۹۱

* جرنیل صحابہ از نواز رومانی۔ مکتبہ نبویہ، لاہور۔ جولائی ۱۹۹۰

* جنات النعیم فی ذکر نبی الکریمؐ۔ نظام الدین احمد جعفری۔ دلی پرنٹنگ ورکس، دہلی۔ س ن

* جوامع السیرۃ۔ ابن حزم ظاہری۔ ترجمہ از محمد سردار احمد۔ مجلس نشریات اسلام کراچی۔ ۱۹۹۰

* حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور بچے۔ راجا رشید محمود۔ اختر کتاب گھر۔ لاہور۔ ۱۹۹۳

* حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بچپن۔ شہناز کوثر۔ اختر کتاب گھر، لاہور۔ ۱۹۹۲

* حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سیاہ فام رفقا۔ اظہر محمود۔ اختر کتاب گھر، لاہور۔ ۱۹۹۳

* حیات الصحابہ۔ جلد اول۔ ناشران قرآن، لاہور۔ س ن

* حیاتِ پیغمبر اعظمؐ۔ عبدالصمد رحمانی۔ مکتبہ عالیہ، لاہور۔ ۱۹۸۷

* حیاتِ رسالتمآبؐ۔ راجا محمد شریف۔ انصار بک سٹال، سرگودھا۔ مارچ ۱۹۸۸

* حیات صحابہؓ کے درخشاں پہلو۔ محمود احمد غضنفر۔ نعمانی کتب خانہ، لاہور۔ جولائی ۱۹۹۲

* حیاتِ طیبہ میں پیر کے دن کی اہمیت۔ شہناز کوثر۔ اختر کتاب گھر، لاہور۔ ۱۹۹۱

* حیاتِ محمدؐ۔ محمد حسین ہیکل۔ اردو ترجمہ از ابویحییٰ امام خاں نوشہروی۔ ادارہ ثقافت اسلامیہ،

لاہور۔ بار چہارم۔ ۱۹۸۸

* خاتونِ پاکستان۔ (ماہنامہ) کراچی۔ رسولؐ نمبر۔ حصہ دوم

* خاتونِ پاکستان۔ رسولؐ نمبر۔ اگست ۱۹۶۳

* خطباتِ بہاولپور۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ۔ مطبوعہ بہاولپور

* خطباتِ جمعہ۔ وزارت مذہبی امور، اسلام آباد (مرتبہ شعبہ تحقیق و مراجع)

* رحمۃ للعالمینؐ۔ جلد اول و دوم۔ قاضی محمد سلیمان سلمان منصورپوری۔ شیخ غلام علی اینڈ سنز۔

س ن

* رحمۃ للعالمینؐ۔ سید محمد عابد۔ محمد سعید اینڈ سنز، کراچی۔ س ن

* رحمتِ عالمؐ۔ سید سلیمان ندوی۔ محمد سعید اینڈ سنز۔ کراچی۔ س ن

* رسالتمآبؐ (جمال حسینی کی "روضہ الاحباب" کا اردو ترجمہ) از مفتی عزیز الرحمان۔ شہزاد

پبلشرز، لاہور۔ ۱۹۷۶

* رسولِ اکرمؐ کی سیاسی زندگی۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ۔ دارالاشاعت، کراچی۔ اشاعت ہفتم۔ ۱۹۸۷

* رسولِ کریمؐ کی جنگی اسکیم۔ عبدالباری۔ الفیصل، لاہور۔ طبع اول۔ ۱۹۸۶

* رسولِ مبینؐ۔ محمد احسان الحق سلیمانی۔ مقبول اکیڈمی، لاہور۔ ۱۹۹۳

* "روحانی ڈائجسٹ" کراچی۔ اکتوبر ۱۹۸۳

* رہبرِ کاملؐ۔ عبدالمجید سوہدروی۔ مدینہ کتاب گھر، گوجرانوالہ۔ ایڈیشن ہشتم۔ ۱۹۸۴

* رہبرِ کاملؐ۔ عبدالاحد خاں۔ ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس۔ دہلی، ۱۹۹۰

* سراپائے اقدس۔ حکیم غلام نبی۔ مکتبہ انوار طیبہ لاہور۔ س ن

* سرورِ عالمؐ کے سفر مبارک۔ محمد کلیم ارائیں۔ مکتبہ تعمیر انسانیت' لاہور۔ اشاعت اول۔ ۱۹۸۷

* سرورِ کائناتؐ۔ سید امیر علی۔ قومی کتب خانہ' لاہور۔ ۱۹۸۵

* سید المرسلین۔ سعید اختر۔ مکتبہ کارواں' لاہور۔ ستمبر ۱۹۷۶

* سیدِ انسانیت۔ نعیم صدیقی۔ ادارہ معارف اسلامی' لاہور۔ اشاعت چہارم۔ ۱۹۸۹

* سیر الصحابہ۔ جلد دوم۔ مہاجرین حصہ اول۔ جلد پنجم۔ اسوہ صحابہ حصہ اول از عبدالسلام ندوی۔ جلد ۱۱۔ جلد سوم۔ مہاجرین حصہ دوم۔ معین الدین ندوی۔ جلد ششم' ہشتم' نہم یعنی اسوہ صحابہ۔ حصہ دہم' عبدالسلام ندوی۔ ادارہ اسلامیات' لاہور

* سیرِ انبیا و صحابہ و تابعین (یہ ابن قتیبہ کی کتاب "المعارف" کا سلام اللہ صدیقی کا اردو ترجمہ ہے جو پاکستان میں تو کتاب المعارف ہی کے نام سے لیکن انڈیا میں "سیر انبیا و صحابہ و تابعین" کے نام سے چھپا)

* سیرتِ احمدِ مجتبیٰؐ۔ جلد اول۔ ستمبر ۱۹۸۶۔ شاہ مصباح الدین شکیل۔ پاکستان اسٹیٹ آئل۔ کراچی۔ ستمبر ۱۹۸۶

* سیرت الرسولؐ۔ شاہ ولی اللہ دہلوی۔ مکتبہ الاشرفیہ' لاہور۔ س ن

* سیرت الرسولؐ من القرآن۔ سید محمد رضوان و انتظام اللہ شہابی۔ سعید کمپنی' کراچی۔ ۱۹۶۳

* سیرت المختار۔ شیخ مصطفیٰ غلامینی۔ اردو ترجمہ از ملک غلام علی۔ مکتبہ تعمیر انسانیت' لاہور۔ س ن

* سیرت المصطفیٰؐ۔ جلد اول و دوم۔ محمد ابراہیم میر سیالکوٹی۔ مکتبہ اہل حدیث سیالکوٹ۔ جون ۱۹۷۳

* سیرت المصطفیٰؐ۔ جلد اول، دوم، سوم۔ محمد ادریس کاندھلوی۔ مکتبہ عثمانیہ، لاہور۔ ۱۹۸۵

* سیرت النبیؐ۔ شبلی نعمانی۔ جلد اول۔

* سیرت النبیؐ کامل مرتبہ ابن ہشام۔ جلد اول۔ اردو ترجمہ از عبدالجلیل صدیقی۔ شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور۔ س ن

* سیرتِ دحلانیہ۔ احمد زینی دحلان مکی (کتاب کے سرورق پر احمد بن زین دحلان لکھا ہے) اردو ترجمہ صائم چشتی۔ چشتی کتب خانہ، فیصل آباد

* سیرتِ رسولؐ ساجد الرحمان۔ اسلامک بک فاؤنڈیشن، لاہور۔ ۱۹۸۴

* سیرتِ رسولِؐ عربی۔ نور بخش توکلی۔ تاج کمپنی لیمیٹڈ، لاہور۔ س ن۔ جون ۱۹۷۳

* سیرتِ سرورِ انبیاؐ۔ غلام احمد حریری۔ کتاب مرکز، فیصل آباد۔ س ن

* سیرتِ سرورِ عالمؐ۔ جلد اول و دوم۔ ابوالاعلیٰ مودودی۔ ادارہ ترجمان القرآن، لاہور۔ اگست ۷۸ و اگست ۷۹

* سیرتِ طیبہ۔ شبلی نعمانی۔ ترجمہ میمونہ سلطان شاہ بانو۔ یونیورسل بکس، لاہور۔ ۱۹۸۸

* سیرتِ طیبہ: رسول اللہ کی مثالی زندگی۔ الحاج امیر الدین۔ مطبوعہ ملتان۔ س ن

* سیرتِ فاطمۃ الزہرا۔ طالب ہاشمی۔ البدر پبلی کیشنز، لاہور۔ س ن

* سیرتِ مبارکہ محمدؐ رسول اللہ قرآن اور تاریخ کے آئینہ میں۔ سید محمد میاں۔ مطبوعہ لاہور۔ س ۱۹۸۶

* سیرتِ محمدیہ۔ ترجمہ المواہب اللدنیہ۔ جلد اول و دوم۔ (علامہ قسطلانی) اردو ترجمہ از محمد عبدالجبار آصفی۔ محمد علی کارخانہ اسلامی کتب، کراچی۔ س ن

* سیرتِ مصطفیٰ۔ عبدالمصطفیٰ اعظمی۔ مطبوعہ ساہیوال۔ 1981

* شرف النبیؐ۔ عبدالمالک بن عثمان نیشاپوری۔ اردو ترجمہ از اقبال احمد فاروقی۔ ملک اینڈ کمپنی، لاہور۔ ۱۹۸۳

* شواہد النبوت۔ علامہ عبدالرحمٰن جامی۔ اردو ترجمہ از بشیر حسین ناظم۔ مکتبہ نبویہ، لاہور۔ بار دوم۔ ۱۹۷۵

* صحابیات۔ نیاز فتحپوری۔ نفیس اکیڈمی کراچی۔ طبع ہفتم۔ اپریل ۱۹۸۱

* "صدائے اسلام" (ماہنامہ) پشاور۔ صفر المظفر۔ ۱۴۰۰ھ

* ضیاء النبیؐ۔ جلد دوم۔ پیر محمد کرم شاہ الازہری۔ بار اول۔ ۱۴۱۳ھ

* طبقاتِ ابنِ سعد۔ حصہ اول۔ اخبار النبیؐ۔ از محمد ابن سعد۔ اردو ترجمہ از عبداللہ العمادی۔ مطبوعہ کراچی۔ دوسرا ایڈیشن۔ ۱۹۴۴

* عرب کا چاند۔ سوامی لکشمن پرشاد۔ مکتبہ تعمیر انسانیت، لاہور۔ طبع سوم۔ س ن

* "عرفات" (ماہنامہ) لاہور۔ عید میلاد النبیؐ نمبر۔ مارچ ۱۹۷۷

* عہدِ نبویؐ کے نادر واقعات۔ علی اصغر چودھری۔ القمر انٹرپرائزز، لاہور۔ س ن

* غزوات نبویؐ۔ مصطفیٰ خاں بی اے۔ بیت العلوم، لاہور۔ س ن

* غزوۂ موتہ۔ محمد احمد باشمیل۔ نفیس اکیڈمی، کراچی۔ مارچ ۱۹۸۶

* غلامانِ محمدؐ۔ محمد احمد پانی پتی۔ مکتبہ کارواں، لاہور۔ بار اول۔ ۱۹۶۱

* فاران (ماہنامہ) کراچی۔ سیرت نمبر۔ ۱۹۵۶

* "فاروقِ اعظم" (مجلّہ) مرتبہ محمد محب اللہ نوری۔ انجمن حزب الرحمان، بصیر پور

* فتوح البلدان۔ ابوالحسن بلاذری' الازہر پریس' قاہرہ۔ ۱۹۳۲

* فروغِ ابدیت۔ جعفر سبحانی۔ اردو ترجمہ از نصیر حسین۔ امامیہ پبلی کیشنز' لاہور۔ بار اول۔ س ن

* فکر و نظر (ماہنامہ) اسلام آباد۔ جون ۱۹۷۸۔ جولائی اگست ۱۹۷۹۔ مارچ ۱۹۸۳

* فکر و نظر (سہ ماہی) اسلام آباد۔ جولائی ستمبر ۱۹۸۵

* "فیض الاسلام" (ماہنامہ) راولپنڈی۔ ستمبر ۱۹۹۲

* کتاب المجر۔ محمد بن حبیب البغداری۔ دائرہ معارف العثمانیہ' حیدر آباد دکن۔ ۱۹۴۲

* کتاب المعارف۔ ابن قتیبہ۔ اردو ترجمہ از سلام اللہ صدیقی۔ اظہر برادرز' لاہور۔ س ن (انڈیا میں یہ کتاب "سیر انبیا: صحابہ و تابعین" کے نام سے چھپی)

* ماہِ نو (ماہنامہ) لاہور۔ سیرت نمبر۔ دسمبر ۱۹۸۵

* محدث (ماہنامہ) لاہور۔ رسولؐ مقبول نمبر۔ حصہ اول

* محفل (ماہنامہ) لاہور۔ خیر البشرؐ نمبر۔ ۱۹۸۱

* محمدؐ رسول اللہ۔ شیخ محمد رضا مصری۔ اردو ترجمہ از عادل قدوسی۔ تاج کمپنی لمیٹڈ' لاہور

* محمدؐ رسول اللہ۔ قرآن اور تاریخ کے آئینہ میں۔ مکتبہ محمودیہ' لاہور۔ جون ۱۹۸۶

* مختصر سیرت الرسولؐ۔ عبداللہ بن محمد بن عبدالوہاب۔ جامعہ العلوم الاثریہ' جہلم۔ اردو ترجمہ از حافظ محمد اسحاق۔ اگست ۱۹۹۰

* مدارج النبوت۔ جلد دوم۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی۔ اردو ترجمہ از غلام معین الدین نعیمی۔ مدینہ پبلشنگ کمپنی' کراچی۔ س ن

❊ معارج النبوت فی مدارج الفتوت۔ جلد اول و جلد دوم۔ ملا معین واعظ کاشفی۔ اردو ترجمہ از اقبال احمد فاروقی و محمد اطہر نعیمی۔ مکتبہ نبویہ' لاہور۔ جلد اول۔ بار دوم۔ ۱۹۸۹۔ جلد دوم ۱۹۷۸۔ بار دوم۔ ۱۹۸۹

❊ معراجِ انسانیت۔ غلام احمد پرویز۔ طلوع اسلام' لاہور۔ دوسرا ایڈیشن۔ ۱۹۶۸

❊ نبی اکرمؐ کاشانہ نبویؐ میں۔ علی اصغر چودھری۔ مکتبہ تعمیر انسانیت' لاہور۔ ۱۹۸۸

❊ نبیؐ رحمت۔ ابوالحسن علی ندوی۔ مجلس نشریات اسلام' کراچی۔ بار دوم۔ ۱۹۸۱

❊ نبی کریمؐ کی معاشی زندگی۔ ڈاکٹر نور محمد غفاری۔ مکتبہ ابوذر غفاری' اسلام آباد۔ طبع دوم۔ ۱۹۹۰

❊ نظام المشائخ (ماہنامہ) دہلی۔ رسولؐ نمبر۔ ۱۹۲۹

❊ نعت (ماہنامہ) لاہور۔ سراپائے سرکارؐ۔ حصہ دوم۔ اکتوبر ۱۹۹۲

❊ نقوش۔ رسولؐ نمبر۔ جلد ۱' ۲' ۳' ۵' ۷' ۱۱

❊ نوادرات۔ علامہ اسلم جیراجپوری۔ طلوع اسلام ٹرسٹ' لاہور۔ ۱۹۸۹

❊ نورِ اسلام (ماہنامہ) شرقپور۔ نومبر ۱۹۹۲

❊ نور البصر فی سیرت خیر البشرؐ۔ حفظ الرحمان سیوہاروی۔ عارف اکیڈمی' گوجرانوالہ۔ س ن

❊ ہادیٔ اعظمؐ۔ سید فضل الرحمان۔ مطبوعہ کراچی۔ ۱۹۹۱

❊ "ہلال" (ہفت روزہ) راولپنڈی۔ ۱۲ مارچ ۱۹۷۶

❊ ہمارے پیارے نبیؐ۔ سید آلِ احمد رضوی۔ ماڈرن بک ڈپو' اسلام آباد۔ ۱۹۸۵

--- ۱۹۹۱ کی صدارتی ایوارڈ یافتہ کتاب ---

قوسِ قزح

(اسلامی موضوعات پر دھنک رنگ مضامین)

شہناز کوثر ------------ کی اس تصنیف میں

* حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیاتِ پاک میں ربیع الاول کے مہینے میں ہونے والے ۳۹ واقعات کا تفصیلی ذکر ہے۔
* حمد میں نعت کی اور نعت میں اظہار عجز کی صورتوں پر مضامین ہیں۔
* احادیث مقدسہ کے حوالے سے مدینہ طیبہ کی اہمیت پر بحث ہے۔
* درود پاک کی اہمیت و فضیلت پر کئی مضامین میں دلآویز انداز میں نئے زاویوں سے روشنی ڈالی گئی ہے۔
* انسان کے اشرف المخلوقات ہونے کی وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ اس کے سانس کی نالی اور پھیپھڑے پر کلمۂ طیبہ لکھا ہوا ہے۔
* اسلامی تعلیمات میں عدد کی اہمیت پر بصیرت افروز معلومات دی گئی ہیں۔
* حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان اقدس میں گستاخی کرنے والوں کو فنا فی النار کر کے تختہ دار کو چومنے والے غازیوں کی مشترکہ خصوصیات کا تفصیلی تجزیہ ہے۔

کتابت و طباعت خوبصورت، سادہ و پرکار سرورق

۱۹۲ صفحات، قیمت پچاس روپے

ناشر

اختر کتاب گھر

اظہر منزل۔ نیو شالامار کالونی۔ ملتان روڈ۔ لاہور (کوڈ ۵۴۵۰۰)

فون ۷۴۲۳۶۸۴